غالب اور ذکا
ضیاء الدین احمد شکیب
غالب اکیڈمی، نئی دہلی

غالب اور ذکا

غالب اکیڈمی

اشاعت	:	فروری ۱۹۷۲ء
تعداد	:	۱۰۰۰
ناشر	:	غالب اکیڈمی، نظام الدین، نئی دہلی ۱۳
قیمت	:	چھے رُپے

مطبوعہ : کوہ نور پرنٹنگ پریس، دہلی

غالب اور ذکا

ضیاء الدین احمد شکیب

غالب اکیڈمی، نئی دہلی

ذکاؔ کے ہم وطن

غالبؔ اور اردو کے پرستار

ڈاکٹر بی ۔ گوپال ریڈی

گورنر اتر پردیش

کے نام

پیش لفظ

گزشتہ سو برسوں میں میرزا غالب کی سوانح عمری کا ایک وسیع و محکم خاکہ تیار ہو چکا ہے۔ تاہم ابھی میرزا کی سوانح عمری کے بہت سے گوشے تشنۂ تحقیق ہیں۔ اس کے لئے کچھ مواد نظروں سے اوجھل ہے جو کبھی ع دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے، کی مصداق مل جاتا ہے اور کچھ مواد فراہم ہے۔ دونوں طرح کا مواد ملک بھر میں اس قدر بکھرا پڑا ہے کہ اس کی تلاش اور اس کا مکمل احاطہ ایک فرد کے بس کی بات نہیں ہے۔ تاہم جو مواد فراہم ہے اور جو اتفاقاً مل جائے، دونوں کے گہرے تجزیے اور تاریخ کے ساتھ اس کے اطلاقی مطالعہ کا کام جب تک نہ ہو، میرزا غالب کی پوری شخصیت واضح نہیں ہو سکتی۔ ایسی مساعی عموماً جزدی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہر کوشش کُل کی بازیابی کی جانب ایک قدم ضرور ہوتی ہے۔ پیشِ نظر مطالعہ بھی ایسی ہی ایک کوشش پر مبنی ہے۔

یہ سعی اپنے سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ گزشتہ سال غالب صدی تقاریب کے موقع پر میں نے ایک مطالعہ " غالب اور حیدرآباد" پیش کیا تھا۔ لیکن بہ وجوہ کئی اہم چیزیں اس میں شامل نہیں ہو سکی تھیں۔ پھر یہ کہ اس کی اشاعت کے بعد متعدد نئی چیزیں سامنے آئی ہیں۔ جن میں ذکا کی اردو و فارسی شاعری اور فارسی نثر کے متعدد نادر مخطوطے شامل ہیں۔ نیز بعض مباحث کو اس کتاب میں شرح و بسط سے پیش کرنا خلافِ محل تھا۔ لہذا " غالب اور ذکا" کو ایک علیحدہ مطالعہ کے طور پر اختیار کیا گیا۔ اس میں " غالب اور حیدرآباد" کی بعض فروگزاشتوں کی اس طرح اصلاح بھی کر دی گئی ہے کہ جن چند باتوں کا ذکر دونوں کتابوں میں آیا ہے اور دونوں میں اختلافِ بیان ہے تو ان میں " غالب اور ذکا" کے مندرجات اوّل الذکر کے مندرجات کے ناسخ ہیں۔

یہ مختصر سا مطالعہ اپنے موضوع تک محدود ہے۔ اس مطالعہ سے میرزا غالب کے بعض مکتوبات کے پسِ منظر کی وضاحت اور چند مکتوبات کی تاریخوں کا تعین بھی ممکن ہوا ہے نیز میرزا غالب کے مکتوبات کے جواب میں آزاد کے بعض غیر مطبوعہ خطوط بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ذکا کی اردو و فارسی نظم و نثر پر میرزا کی بیسیوں اصلاحات پہلی دفعہ پیش کی جا رہی ہیں۔

کتاب کی ترتیب باب وار بھی ممکن تھی۔ لیکن بہ وجوہ یہ مطالعہ تاریخی ترتیب سے مرتّب کیا گیا ہے۔ غالب اور ذکا کے جو فارسی خطوط معرضِ بحث میں آئے ہیں، ان کے تراجم یا مطالب اردو ہی میں درج کیے گئے ہیں۔

اس پیش کش میں جو محاسن ہیں وہ درحقیقت کئی بزرگوں اور دوستوں کی کرم فرمائی کے رہینِ منّت ہیں۔

سب سے پہلے میں عمِّ محترم جناب محامد علی عبّاسی صاحب آئی۔ اے۔ ایس کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے جن نادر و نایاب مخطوطات سے استفادہ میرے لیے ممکن بنا دیا، ان کی بدولت دنیائے ادب کو مطالعہ غالب کی کئی کھوئی ہوئی کڑیاں مل گئیں۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں ڈاکٹر فرزانہ بیگم ایم۔ اے، پی۔ ایچ ڈی اور مولوی سید محی الدین صاحب ایم۔ اے کا مواد کی فراہمی کے سلسلے میں؛ اپنے عزیز شاگرد سید قطب الدین احمد کا مسوّدوں کی صاف نویسی کے لیے؛ مجید خاں آرٹسٹ کا تصویروں کے لئے، مکرمی ذہین نقوی صاحب معتمد اعزازی غالب اکیڈمی کا مراحلِ اشاعت کی زحمتوں کے لیے اور اپنے دوست سید داؤد اشرف ایم۔ اے، جناب شفیع الدین نیّر کا مفید مشوروں کے لیے شکریہ نہ ادا کروں۔

اس مطالعہ کے مختلف مراحل پر برادرم مصلح الدین سعدی، مس نجمہ صدیقہ ایم۔ اے ریسرچ اسکالر اور مسز فرحت شکیب نے جس جس طرح میرا ہاتھ بٹایا ہے، اس کے بغیر نہ تو اس کام کی تکمیل ممکن تھی نہ اس کا تشکر ممکن ہے۔

پروف کی تصحیح میں میرے دوست سید یعقوب میراں مجتہدی نے جس دیدہ ریزی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ میرا ہاتھ بٹایا ہے اس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

ڈاکٹر عبدالوحید خاں ناظم آثار قدیمہ و ریاستی دفتر اسناد کا شکر گزار ہوں کہ ان کی توجہ سے

ان اوراق میں غالب اور ذکا کی نادر تحریروں کے عکس شامل ہو سکے۔

یہ کاوش گوشۂ گمنامی میں پڑی رہ جاتی اگر استادِ محترم ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی نظرِ کیمیا اثر اس پر نہ پڑتی۔ موصوف نے جس طرح اس پر توجہ فرمائی ہے، اس کے لیے میرا دل لبریزِ تشکر ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں محترمی حکیم عبدالحمید صاحب، صدر غالب اکیڈمی نے جس طرح میری ہمت افزائی فرمائی ہے، اس کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

ضیاء الدین احمد شکیب

۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء

بی۔ I۔ بی بلاکس

ملک پیٹھ کالونی۔ حیدرآباد۔ ۳۶
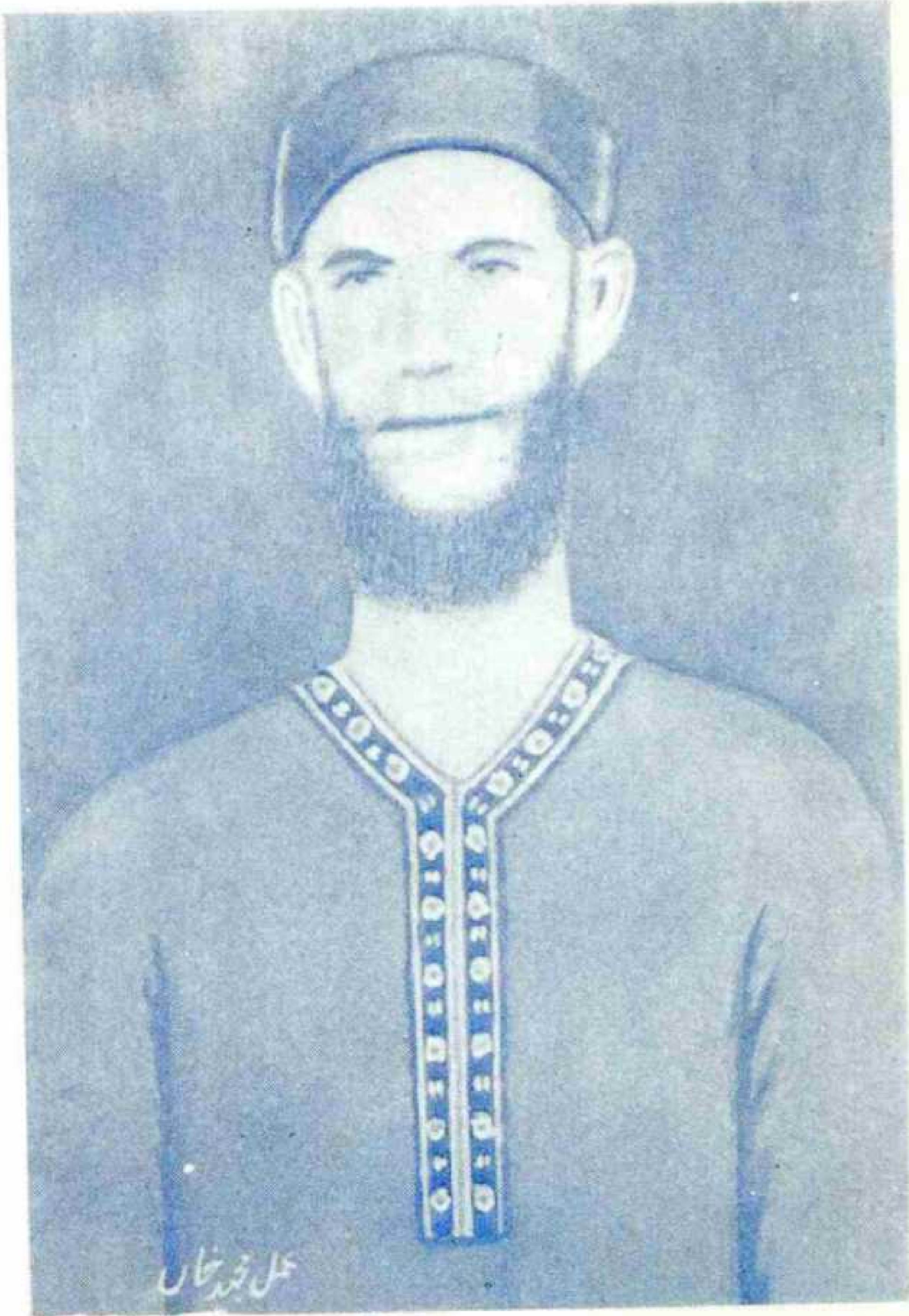
محمد حبیب اللہ ذکاؔ

ولادت ۱۲۴۴ھ

وفات ۱۲۹۱ھ

کسی شخصیت کی عظمت کا اندازہ زندگی کے مختلف میدانوں میں اس کی کامیابیوں سے بھی لگایا جاتا ہے اور ناکامیوں کے باوجود اس کی انتھک کوششوں اور پیہم جستجو سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ میرزا غالب کی زندگی، معاشی خوش حالی کے حصول کے لئے جد و جہد اور جہانِ شعر میں اپنے حقیقی مقام کو تسلیم کروانے کی معرکہ آرائی سے عبارت ہے۔ غالب کی یہ دو گونہ جد و جہد دہلی اور کلکتے کے سوا ہندوستان کے دوسرے مختلف علاقوں اور انگلستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ غالب کے سوانح نگاروں نے اس کا بہت کچھ احاطہ کیا ہے۔ تاہم غدر کے بعد غالب کی معاشی جد و جہد، پنشن کی کارروائی اور رام پور کی تنخواہ تک محدود سمجھی جاتی ہے اور ادبی معرکہ آرائی بھی دہلی سے ہٹ کر حکیم نجف علی مرشد آبادی کی وجہ سے بنگال تک سمجھی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی ادبی معرکہ آرائی بھی ملک کے مختلف گوشوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا سلسلہ حیدر آباد تک پہنچا تھا۔

میرزا نے اپنی زندگی کے آخری نو برسوں میں حیدر آباد میں جو جد و جہد کی ہے اس سے ان کی زندگی کے اس آخری حصے کو واضح طور پر سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔[1]

حیدر آباد میں میرزا غالب کے تعلقات کئی شخصیتوں سے رہے۔ ان کے بھائی اور بہنوئی کے علاوہ ان کی زندگی ہی میں ان کے دوسرے رشتہ دار یہاں آئے اور رہے۔ نیز یہاں ان کے کئی شاگرد بھی ہوئے ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارا موضوع سخن ان کے ایک حیدر آبادی شاگرد حبیب اللہ ذکا

سے ان کے تعلقات کے جائزے اور تجزیے تک محدود ہے۔ اس محدود موضوع میں بھی بہت سی ضمنی بحثیں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، مثلاً غالب اور غلام امام شہید کے تعلقات، محی الدولہ، مولوی موئید الدین خاں، محمد نجیب خاں، سکندر علی خاں اور شبیر زماں خاں کا تعارف اور میرزا سے ان کے تعلقات یا میرزا غالب اور حیدر آباد کے تعلقات میں ان لوگوں کی حیثیت وغیرہ۔ لیکن ان مباحث سے بھی یہاں صرف نظر کیا جائے گا۔

محمد حبیب اللہ ذکا (پیدائش ۱۲۴۴ھ م ۲۹-۱۸۲۸ء وفات ۱۲۹۱ھ م ۱۸۷۵ء)[۲] غالب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ذکا اگرچہ نیلور میں پیدا ہوئے لیکن ۱۸۵۵ء میں حیدر آباد آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ ۱۸۵۶ء میں سالار جنگ کے یہاں دفتر دارالانشاء میں ملازم ہو گئے۔ گویا ذکا ۲۷ برس کی عمر تک نیلور میں رہے، جو اس زمانے کے مدراس اور آج کے آندھرا پردیش کا ضلع ہے۔ ذکا نہایت ذہین اور ظریف الطبع تھے۔ کم عمری ہی میں جنوبی ہند اور خاص کر مدراس و ارکاٹ کے ادبی ماحول میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ ان کو جنوبی ہند کے جید اساتذہ سے اردو اور فارسی میں تلمذ حاصل تھا۔

یوں تو میرزا غالب کے شاگردوں کی تعداد سو سے اوپر ہے۔ لیکن ان میں جن کو غالب سے والہانہ عقیدت تھی، صرف چند تھے اور ان چند شاگردوں میں ذکا کافی نمایاں ہیں۔ ذکا کو میرزا غالب سے ملنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ ان کی یہ عقیدت غائبانہ ہی تھی۔ اسی لیے میرزا غالب ذکا کو "دوست روحانی" اور "برادر ایمانی" کہتے تھے۔ ذکا کو میرزا غالب سے کب اور کن حالات میں یہ عقیدت پیدا ہوئی، اس کے بارے میں کچھ معلومات اور کچھ قرائن موجود ہیں۔

اس معاملے میں سب سے پہلے اس امر پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ دکن میں میرزا غالب کی شہرت کب پھیلی۔ ہمارا یہ قیاس ہے کہ دکن میں میرزا غالب کی شہرت "پنج آہنگ" کی اشاعت کے ساتھ ساتھ پھیلنے لگی تھی اور وہ یہاں مقبول ہو رہے تھے۔ دکن کی محفلوں میں میرزا کا تذکرہ سب سے پہلے نواب فخر الدین خاں شمس الامراء دوم (۱۷۸۱ء تا ۱۸۶۳ء) کے یہاں ملتا ہے۔ میرزا نے شمس الامراء کے نام اپنی ایک عرضداشت میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔[۳] اس کے بعد ہی میرزا نے شمس الامراء کی مدح میں ایک قصیدہ بھی سرسٹھ اشعار پر مشتمل لکھا۔

ہمارا یہ قیاس ہے کہ شمس الامراء میرزا غالب کے پہلے حیدرآبادی ممدوح تھے۔ ان کے بعد ۱۸۶۱ء میں مختار الملک سر سالار جنگ اول کی مدح میں بھی ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا اور اسی سال سے ذکا اور غالب کی خط وکتابت بھی شروع ہوئی۔ اس خط وکتابت میں مدح مختار الملک میں قصیدے کا تذکرہ ہے، جس پر آگے بحث کی جائے گی۔ لیکن شمس الامراء کی مدح میں کہے ہوئے قصیدے کا ذکر اس خط وکتابت میں نہیں ملتا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ میرزا نے شمس الامراء کو جو قصیدہ بھیجا تھا وہ ۱۸۶۱ء سے پہلے ہی بھیجا تھا۔ یہ تو حیدرآباد کے امراء سے میرزا کے تعارف و روابط کا آغاز ہوا۔ لیکن عوام میں ان کی شہرت دکن میں دور دراز تک پھیل چکی تھی۔ چناں چہ مولانا غلام رسول مہر کے بیان کے مطابق ذکا، غالب سے اسی وقت متاثر ہو چکے تھے۔ جب وہ اپنے وطن نیلور میں تھے۔ غالب کی جن چیزوں نے ذکا کو متاثر کیا وہ پنج آہنگ، دستنبو اور مہر نیم روز تھیں۔ ان کتابوں نے ذکا کو غالب کا بے حد عقیدت مند بنا دیا تھا۔ چناں چہ ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ہندستان جائیں اور وہاں جا کر سر کردہ سخن دانوں سے ملیں۔ غالب کے نام اپنے ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں۔ "از خاک سرزمین مدراس سر بر کردہ۔ بتلاش آموزگاران سخن پائے از سر کردہ۔ تا آنکہ در سیر گلشن بے خار گیرائے شیوا شیوہ ملازمان از جا بردیم و باعزم سفر ہندستان تا حیدرآباد دکن آوردد"۔[۴]

ظاہر ہے کہ ہندستان کے آموزگاران سخن میں میرزا غالب کے سوا ذکا کے پیش نظر اور کون رہا ہوگا۔ ادب میں ذکا کا مذاق سخن ادبیات فارسی ہی سے وابستہ تھا اور اس زمانے کے ہندستان میں شیراز و اصفہان کی زبان کی ہمسری کا سب سے بڑا مدعی غالب کے سوا کون تھا۔ غالب کی شخصیت کا بھی وہ پہلو ہے جو ذکا کو گھائل کئے ہوئے رہا۔ کیوں کہ خود ذکا کو فارسی میں اہل زبان کے ہم رنگ ہونے کا

جو شوق تھا، وہ ان کی فارسی تحریروں سے واضح ہے۔ ہندستان بھر میں اس زمانہ تک فارسی کا معیار اس قدر ہندی اثرات قبول کر چکا تھا کہ سبکِ ہندی سے بچ نکلنا تو درکنار اس سے آگے کی شاعری کی ستائش کا حوصلہ بھی بالعموم مفقود تھا۔ ہندستان میں گروہ قتیل کی مقبولیت کا بھی یہ ایک اہم سبب تھا۔ ایسے حالات میں جب خود میرزا کو رنج اٹھانا پڑا اور ناقدری کی شکایت کرنا پڑی تو ذکا کس شمار میں تھے۔ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ زبان دانی کے اس رجحان میں، ذکا کو اپنے وطن میں اجنبی بننا پڑا ہو اور وہ رشک و رقابت کا شکار ہوتے ہوں۔ ویسے بھی ۲۷ برس میں کوئی ادیب کتنا ہی کمال کیوں نہ حاصل کرے، سلامتیِ طبع کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کامل ترین آموزگارانِ سخن کی تلاش کی جائے۔ ان حالات میں ذکا نے میرزا غالب سے ملنے کی خاطر وطن چھوڑا ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ مولانا غلام رسول مہر کہتے ہیں:

> " واقفِ حال اصحاب کا بیان ہے کہ یہ عقیدت دیوانگی کی حد تک جا پہنچی تھی اور ذکا ہر وقت اس کوشش میں رہنے لگے کہ غالب سے ملیں۔ ثاقب وقتاً فوقتاً حیدر آباد آتے تھے اور یہاں ان کے اعزاز میں مشاعرے ہوتے تھے۔ ذکا کے دل میں بھی یہی خیال پیدا ہوا کہ پہلے حیدر آباد پہنچنا چاہیے اور وہاں پہنچ کر غالب سے ملنے کی سبیل نکالنی چاہیے۔ چناں چہ وہ اپنے اقربا کو خبر کیے بغیر گھر سے نکلے اور پیدل سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے حیدر آباد پہنچ گئے۔" (۵)

غالب کے جس کارنامے سے ذکا سب سے پہلے متاثر ہوئے ہیں، وہ "پنج آہنگ" ہے۔ (۶)
اس زمانے میں ذکا اگرچہ ثاقب اور بینش سے استفادہ کرتے تھے اور یہ دونوں بزرگ مشہدی

خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن یہ خاندان کئی پشتوں سے ہندستان میں مقیم تھا جو بیجاپور اور دکن کے دوسرے علاقوں میں سکونت اختیار کرتے ہوئے نیلور میں مقیم ہوا۔ نیلور میں فارسی علم و ادب کی روشنی دراصل ارکاٹ کے والاجاہی خاندان کی ادب دوستی کی جلائی ہوئی شمع سے قائم تھی۔ "تذکرہ صبح وطن" اور "تذکرہ گلزار اعظم" اس زمانے کے ارکاٹ کے ادبی ماحول کے دل چسپ مرقعے ہیں۔ "تذکرہ صبح وطن" کے مصنف نواب محمد غوث اعظم کی لڑکی کی شادی میں ۱۸۵۵ء سے کچھ پہلے ہی ایک عظیم الشان مشاعرہ ہوا تھا۔ اس مشاعرہ میں اگرچہ کئی بزرگ شعرا شریک تھے اور ذکا نہایت کم عمر تھے لیکن اندیشہ یہ تھا کہ مشاعرہ میں میدان ذکا کے ہاتھ رہے گا۔ لہٰذا ایک سازش کے ذریعہ مشاعرہ کے منتظم شیریں سخن نواب محمد حسین بہادر راقم نے ذکا کو مشاعرے میں شرکت سے روک دیا۔ اس سے نہ صرف وہ دل برداشتہ ہوئے بلکہ ان میں یہ احساس ابھر آیا کہ ارکاٹ کے ماحول کے مکتبی فارسی داں شعرا، زبان و شعر کے اعلیٰ مقامات سے بے خبر ہیں۔ ظرافت اور ہجونگاری سے تو ان کو دل چسپی تھی ہی، انہوں نے ایک نظم "چار میخ" کے عنوان سے راقم کی ہجو میں کہی۔ اس میں ذکا نے اپنے وطن کے ادبی ماحول پر تنقید کی ہے کہ

تو چہ دانی کہ چیست مدحت وذم	تو چہ دانی کہ چیست شعر و سخن
می نہ دانی کہ خود شوی ملزم [7]	دخل ہا میکنی بہ معقولات

اسی سلسلے میں ان کی وہ تحریر جو "خاش وخماش" میں "بہ یکے از نا منفعلاں" مندرج ہے، قابل توجہ ہے[8]۔ ذکا کی لکھی ہوئی ہجو کی اطلاع والاجاہ محمد غوث خاں بہادر تک پہنچی جو ثاقب کے بھائی بینش نے پہنچائی تھی[9]۔ اگرچہ ذکا کے بھائی رسا نے والاجاہ کا ذہن صاف کر دیا، لیکن اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ذکا کے استاد نے اس ہجونگاری کو ان کی "سوء المزاجی" پر محمول کیا۔ چوں کہ راقم، ذکا سے عمر میں دس برس بڑے تھے، وہ "مشاعرۂ اعظم" کے میر مجلس ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا ثاقب اور بینش کے راقم سے قریبی مراسم یقینی ہیں۔ گویا صورتِ حال یہ ہوئی کہ ذکا کا حریف راقم ذکا کے استادوں کا دوست تھا۔ لہٰذا اپنے استاد کے اس طرزِ عمل سے ذکا کا دل گرفتہ ہونا فطری تھا اور اسی زمانے میں "پنج آہنگ" کا مطالعہ ذکا کو فارسی کے ایک شاداب اسلوب اور تازہ معیار سے روشناس کر رہا تھا۔ ذکا جب حیدرآباد آئے اور یہاں انہیں دم لینے کی مہلت ملی تو

انہوں نے اپنے یارانِ وطن کو اس نیّت سے میرزا غالب کی طرف متوجہ کرنا چاہا کہ وہ لوگ متقدمین کی روش کو فرسودہ سمجھیں اور آہنگِ غالب کو اپنے لئے معیار بنائیں۔ چناں چہ اس عرض سے ذکا نے وطن کے کسی دوست کو ایک خط لکھا، جس کا روئے سخن یوں تو سب ہی کی طرف ہے لیکن دراصل وہ ثاقب کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں۔ ذکا چوں کہ ثاقب کا بے حد احترام کرتے تھے، اس لئے یہ مناسب نہ تھا کہ ایک استاد کے سامنے کسی معاصر کا ذکر اس قدر بلند بانگ لہجہ میں کیا جائے۔ لہٰذا یہ تقریر بالواسطہ ہی کی گئی ہے۔ "خاش و خماش" میں یہ خط "ہدایت نامہ بہ یاران وطن" کے عنوان سے درج ہے، جس کے منتخب مطالب یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

"محرومِ دوستاں اور مردود بوستاں جیبائے ذکا اہلِ وطن کو خط لکھتا ہے۔ اس تمام درد و حرماں، آزردگی خاطر اور کدورتِ باطن کے باوجود اپنی دیرینہ لگا پو کے حاصل اور اپنی اندرونی جستجو کے نتیجہ کے طور پر اُن دوستوں سے مخاطب ہوتا ہے، جن کے لبوں پر ہر صبح مسرت کی ہنسی اور جن کے ہاتھوں میں ہر شام زلفِ محبوبی ہوتی ہے، جو تفرقے کی دست اندازی سے دور ہیں اور جنہیں ہر طرح کی جمعیت خاطر حاصل ہے۔

"ہاں اے خواجہ تاشو! مجھ سے اعراض نہ کرو۔ ہاں اے ہمصفیرو! میرے نالے کو بُرا نہ سمجھو۔ ہاں اے چمن نادیدہ اور دمن گرویدہ دوستو! ہاں اے مشک سے بے خبرو! اور پشک ڈھونڈنے والو! تمہارے شہر کے معلموں کے ہاتھوں میں وہی منشآت ملا ظہوری اور ملا طغریٰ کے فرسودہ نسخے ہیں۔ ان میں سے ایک اپنی گھن گرج سے کانوں کے پردے پھاڑے ڈالتا ہے اور دوسرا ہزار رنگ و بو سے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔ میں اس پُرانے ٹاٹ کو پہننا پسند نہیں کرتا کہ جس کے تار و پود سال گرہ کی ڈور کی طرح ہیں اور جس کا قماش بدرنگی میں زنگ خوردہ زرہ کی طرح ہے۔ میں ایک ایسے طلسمی لباس کی آرزو میں رہا کہ جس کو پہن کر عقل بہشت کے مزے اٹھائے۔ اور اس کی جستجو میں چین نہیں لیا یہاں تک کہ میری سیاہ روزی پہ

زمانے کا دل جل اٹھا اور اسی چراغ کے شعلے نے مجھے ایک ایسے نہاں خانہ کی راہ دکھلائی جس میں حریر مطرّز اور دیبائے معلّم کے سوا کچھ نہیں۔ پردے پردے میں کہاں تک بات کروں! اب کھل کر کیوں نہ کہوں ؟ یہ طرز اور یہ علم (مطرّز و معلّم کی رعایت سے) دہلی کے پارسی نژاد جناب اسداللہ غالب کی نثر کے شیوہ کی دل فریبی ہے۔ جس کے قلم کی مضراب رگِ جاں کو چھیڑتی ہے۔

"کیا کہا ؟ غالب ہندستانی ہے ! اور زبان دانوں کی رسم وراہ کیا جانے ! میں کہتا ہوں کہ یہی حال امیر خسرو کا بھی ہے کہ نہ وہاں سعدی پہنچ پاتا ہے اور نہ اصفہانی۔ یہ کہتے ہو کہ متقدمین نیز قدم اور متاخرین گستہ دم تھے! ان کی روش دیکھی اور ان کی نہیں دیکھ سکا ! تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یہی بات ہے تو یہ ایسی ہے جیسے معراج محمدی کو عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے سے نسبت دینا یا موسیٰ کے طور سے سر کھوڑنا۔ آخر باطل حق سے آگے کیسے جاسکتا ہے۔ یہی میرا دین و ایمان ہے۔ استاد کی تصنیفات کو آنکھوں کے سامنے رکھتا ہوں اور تقویم ہائے پارینہ کو بھی نظر میں رکھتا ہوں۔

"ادھر یہ سننے میں آیا ہے کہ وطن میں" پنج آہنگ" کے نسخے پہنچے ہیں۔ قیمتِ جاں دے کر خرید و اور چشم انصاف سے دیکھو تا کہ یہ معلوم ہو کہ سخن رسی میں کس پایہ کو پہنچا ہوں اور کس دل نشین طلسم کو میں نے اپنا نصب العین بنایا ہے۔ حضورِ ثاقب میرا یہ خط پڑھو، جو ہنگامۂ دل سوزی پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد کتاب فروش کی دکان سے جب تک خطرات کو دور کرنے والا وہ تعویذ نہ خرید لو اپنے گھر نہ لوٹو۔" (۱۰)

اپنی ایک اور تحریر میں ذکا نے حیدرآباد آنے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ انھوں نے مختارالملک کے نظم امور کا طنطنہ اور قدر دانی کا آوازہ سن کر خود کو کسی طرح حیدرآباد پہنچایا۔ ان دونوں بیانات میں بظاہر تضاد ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ ہندستان پہنچنے کی غرض سے حیدرآباد آنا ان کی

علمی شخصیت کی ایک آرزو تھی اور ہندستان پہنچنے کے لیے اس نیت سے حیدرآباد آنا کہ وہاں مختارالملک جیسا قدرداں موجود تھا، اپنی حقیقی آرزو کی عمل آوری کا اہم وسیلہ تھا۔ لہٰذا دونوں اطلاعوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ذکا کی " خاش وخاش " کے بارے میں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اس کا بیشتر حصہ ان کے معاصرین سے متعلق ہے اور اس کو وہ اپنی زندگی میں چھپوانا چاہتے تھے۔ لہٰذا اس کے مختلف حصوں کے روئے سخن اور پیرایہ اظہار کا بدلتا جانا بالکل فطری ہے۔

ذکا نے جن حالات میں حیدرآباد کا سفر کیا وہ نہایت ناسازگار تھے۔ یہاں پہنچنے کے ایک سال تین مہینے سے کچھ زیادہ عرصے کے بعد تین اگست ۱۸۵۶ء کو انہیں سالار جنگ کے یہاں نوکری مل گئی۔ یہ حیدرآباد میں نظم ونسق کی تبدیلیوں کا عظیم الشان دور تھا۔ نظم ونسق میں قدیم و جدید کے ٹکراؤ سے پیچیدہ صورتیں پیدا ہوتی رہتی تھیں، جس میں دیانت داری کے ساتھ فرائض کو انجام دینا نہایت مشکل کام تھا اور ذکا اس میدان میں مبتدی تھے۔ اپنی ملازمت کے ابتدائی دس سال کی الجھنوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

> " وہ سال بے عالمگی غرضی و دراز تعارض الزامی در سرانجامی امور مفوضۂ خود نفس ہا سوختیم "۔(۱۱)

غالباً یہی وہ الجھنیں تھیں جنہوں نے حیدرآباد پہنچنے کے بعد ذکا کو فی الفور غالب کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیا۔ نیز ابتداءً وہ اس آرزو وامید میں رہے ہوں گے کہ خود دہلی پہنچیں گے۔ اسی لیے انھیں میرزا کو خط لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ لیکن یہ ایک دلچسپ اتفاق ہے کہ جب اگست ۱۸۶۱ء

میں میرزا غالب نے اپنا منتخب دیوان ریختہ نواب سالار جنگ کو پارسل کے ذریعہ بھیجا تو اس کے کچھ دنوں بعد ہی ذکا نے پہلی دفعہ میرزا کو خط لکھ کر مخاطب کیا۔ ذکا کے اس خط کے مطالب کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"عالی خدمت نواب اسد اللہ غالب تخلص

آن کہ در حضرتِ او خامہ بہ عرضِ ادب است

شاہِ مردانِ سخن غالبِ عالی نسب است

بندگی ہا مقبول و کورنش ہا موصول باد! بندہ نے کبھی "روئے خواجہ" نہیں دیکھا لیکن "خوئے خواجہ" کا گرویدہ ہو گیا ہے۔ اگر اُس کا نام پوچھیں تو ذکا ہے اور مقام پوچھیں تو لاپتہ ہے۔ مخاطب کے کلام کی بلندی فکر اور دقّت معنی تک پہنچنے کی کوشش میں میں نے فلک چہارم سے تحت الثریٰ تک کی سیر کی ہے۔

اس کو غلو سمجھیں اور مستانہ کا اٹھنا اور گرنا سمجھیں۔ یہ ایک تیز شراب کا نشہ تھا۔ تکلّف اور کنایہ سے کہاں تک کام لوں؟ شرابِ سر جوش سے مراد کیفیت پنج آہنگ اور دستنبو اور مہر نیم روز ہے جن کا ایک ایک نسخہ حاصل کرنے کے لیے مجھے مہینوں جستجو کرنا پڑی۔ میں خوش قسمت ہوں، فرخ ہوں کہ ان سے جو نشاط حاصل ہوئی اس کی حرص آج تک باقی ہے۔ اس خیال میں کہ کوئی شخص ہندستان سے اس طرف کا قصد کرے گا اور جناب والا کا کلیات فارسی و "ماہ نیم ماہ" اس کے پاس ہوگا، سر راہ بیٹھا ہوا مسافروں کے نقش پا کی پرستش کر رہا ہوں۔ اگر اتنی پرستش آفتاب کی کرتا تو مجھے لعلِ ناب کا آب و رنگ نصیب ہوتا اور اگر اس قدر انتظار باغبانی میں کرتا تو میرا نہال برگ و بار سے گل فشاں ہوتا۔ ان سب باتوں کے باوجود وہ دل نشین کتابیں مجھے نہیں ملیں۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو بہ طعنہ نہیں دیا کہ میں نے ایک بیہودہ کوشش کی۔ آرزو کا خون ہو گیا تب کہیں دل نے رہنمائی کی کہ وہ پھول جو بازار میں نہیں ملتا گلستاں سے اس کی بھیک کیوں نہ مانگی جائے۔ چشمہ سے اگر پانی نہ ملتا ہو تو ابر رحمت سے کیوں نہ درخواست کی جائے۔ اسی امید میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میرے دستِ گدائی پر نوازش ہوگی اور وہاں ایک کاتب مقرر کیا جائے گا۔ جو وہاں صفحہ پر سیاہی اور یہاں میرے دل پر احسان کا

نقش کھینچے گا۔" (۱۲) ذکا کے اس خط کا جواب میرزا نے ۷ ارستمبر ۱۸۶۱ء کو دیا۔ ذکا نے اپنے خط کے آخر میں اپنا پتہ حسب ذیل تحریر کیا تھا۔

"در حیدر آباد دکن بہ دار الانشار مہین دستور مختار الملک بہ حبیب اللہ ذکا برسد۔"

اس سے میرزا کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ذکا نے یہ خط مختار الملک کی ایما پر لکھا ہے۔ ان کا ایسا سمجھنا فطری تھا۔ نواب مختار الملک کے دفاتر کے کسی اور صیغہ کے ملازم کا اگر ایسا خط جاتا تو شاید غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔ لیکن دفتر دیوانی کا دار الانشار تھا ہی وہ صیغہ جہاں سے تمام خط وکتابت کی جاتی تھی۔ بہرحال یہ جو کچھ بھی ہو میرزا نے اس خط کا جواب احتیاط سے دیا۔ اس میں ایک طرف تو ذکا کے حد درجہ عقیدت آمیز خط کی رعایت سے لب ولہجہ اختیار کیا اور دوسری طرف اس کی بھی وضاحت کردی کہ انہیں احتمال ہے کہ شاید وہ خط نواب مختار الملک کی ایما پر لکھا گیا ہو۔ اس خط کے مطالب درج ذیل ہیں۔

"یزداں کو اس کی بخشندگی کا سپاس، بخت کو اس کی فرخی پر آفریں اور آرزو کو بر آنے کی نوید، بے شک ایک امید افزا خط ملا ہے۔ جسے میں فرد فہرست ساز وبرگ سمجھتا ہوں، جو بلندی سے زمین پر مجھے بھیجا گیا ہے۔ یہ ایک گنجینۂ گراں ہے جو از راہ مہربانی مجھے بھیجا گیا ہے۔ بہرحال میں خوش ہوں کہ میرے راستے میں رنگا رنگ متاع سعادت ہے اور گنجینۂ مراد کے ظاہر ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔ ہر چند یہ خط منشور خداایگاں (یعنی مختار الملک کا خط) نہیں ہے لیکن یہ میری فروغ مندی کا نشان ہے کہ مجھ گوشہ نشین کا نام اس دفتر ہمایوں میں لکھا گیا ہے۔

غالب بخود ببال کہ گشتیم روشناس
در دفتر وزیر نوشتند نامِ ما

یہ ایک دلچسپ روداد ہے جو کہنے کے لائق ہے کہ دور سے میری آوازِ قلم پر کان دھریں۔ گذشتہ ماہ اگست میں دیوانِ ریختہ جو تازہ چھپا تھا، موم جامے میں لپیٹ کر حضرت فلک رفعت (یعنی مختار الملک) کے پاس بھیجا۔ چونکہ آپ کے صحیفۂ سامی کے وصول ہونے کا اتفاق پارسل بھیجنے کے بعد ہی ہوا ہے، لہٰذا میں اپنے اندیشہ میں یہی سمجھ رہا ہوں کہ یہ نگارش پیش گاہِ وزارت کے حسب الحکم ہوئی ہے اور سفینۂ اُردو کی وصولی سے مطلع نہ کرنے اور مجموعۂ نظم فارسی کی خواہش کو

اس بات کا اشارہ سمجھا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور اُس کی پیش کش موجب زہے تصورِ باطل خہے خیال محال! ماہ نیم ماہ چاہتے ہیں! وہ خود ایک ایسا اسم ہے کہ اس کا مسمیٰ نہیں ہے۔ چونکہ سرنوشت سے سرتابی ممکن نہیں، لہٰذا سرگذشت بیان کرتا ہوں۔

ہرگاہ "پرتوستاں" کا ایک نیمہ سرانجام ہوا اور اس نے "مہر نیم روز" نام پایا یہاں تک کہ مہلت پانا کسی قدر دیر ہوتی کہ ناگاہ اس کارفرما کا زمانہ ختم ہو گیا اور نزکمانانِ فرا چاریہ کی دولت کا عہد ختم ہوا۔ ماہ نیم ماہ مہینے کی ۲۸ تاریخ کے چاند کی طرح ناپدید ہے۔ مہر نیم روز میں ایک عنوانِ بے نشانی کے تحت اس کا نام دیا گیا ہے۔ ایسی ہستی جو وجود میں ہی نہ آئی ہو کیسے بھیجوں۔ ہاں چوں کہ "پنج آہنگ"، "مہر نیم روز" و "دستنبو" آپ کے پاس موجود ہیں، اس لیے اب جو بھیج سکتا تو وہ مجموعہ نظم فارسی تھا۔ لیکن جو کچھ غزلیں اکٹھا کی تھیں وہ کہیں نہیں ہیں۔ شہر والوں کے پاس جو کچھ تھا وہ اس رستخیز و آشوب میں لُٹ گیا۔

اس شہر کی تباہی کے بعد اس نامہ نگار کے ایک جاہ مند دوست نے تجسس شروع کیا اور اس لبادہ کے ٹکڑے اکٹھا کرنا شروع کیے۔ تقریباً پچاس جزبن گئے۔ اب اس کی فکر ہے کہ اس کی طباعت ہو۔

کاتب کی اجرت کوئی مصارف طباعت کے برابر نہیں ہے کہ مجھ پر گراں ہو اور میری دسترس سے باہر ہو۔

خواجۂ نامور وزیر ارسطو نظیر کے نشان مند ملازم ہیں۔ جیسا کہ نگارش سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا جواب مجھ سے دفترِ نواب مختار الملک کے پتہ پر منگوایا گیا ہے۔ امید ہے کہ درویش نوازی میں اضافہ کریں گے اور جواب سے آگاہی بخشیں گے کہ خواجہ دفتر وزارت کے کس منصب پر فائز ہیں اور کس معدن کے گوہر ہیں تاکہ ان الفاظ سے آگاہ ہو جاؤں جو اسم سامی کے ساتھ لکھے جائیں۔ دیگر یہ چاہتا ہوں کہ دیوان اردو کی رسید سے مطلع کیا جاؤں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کلیات فارسی نواب مختار الملک کے فرمان پر طلب کیا گیا ہے۔ یا خود جناب صحیفہ طراز کی جانب سے۔ ہر دو صورت میں فرماں پذیری ہوگی۔ والسلام بالوف الاحترام۔ (۱۳)

سہ شنبہ یازدہم ربیع الاوّل ۱۲۷۸ھ

م۔ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۱ء

ذکا نے اس خط کا جو جواب لکھا ہے، اس پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے۔ لیکن گمان غالب یہی ہے کہ جواب فی الفور دیا گیا ہے۔ اس جواب سے میرزا کی غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔ ذکا نے اس احتیاط سے جواب دیا ہے کہ میرزا غالب کو اپنی غلط فہمی پر کسی طرح کی خفت محسوس نہ ہو اور ذکا کے موقف کو ٹھیک طور سے سمجھ جائیں۔ ذکا کا یہ خط بھی عشق و عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس خط کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے۔ "آیۂ ادعونی استجب لکم"[١٤] را دل نشین تفسیرے وہ وعدۂ "یعطیک ربک فترضیٰ"[١٥] را جانفزا تاویلے۔"

اس خط کے مطالب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

"خامہ گہر فشاں کی نگارش جسے عرف عام میں نوازش نامہ کہا جاتا ہے، اس نے آنکھوں کے سامنے چہرہ خورشید کی روشنی پھیلا دی ہے۔ اور دل پر دستِ کرم کی فراخی ارزانی کی۔ دیوان اردو کے پہنچنے کو اب تک نہ بالقوہ کوئی اثر ہے اور نہ بالفعل اس کی کوئی خبر۔ ممکن ہے کہ پہنچا ہو اور کسی نے نہ دیکھا ہو۔ کجا یہ کہ جناب وزارت مآب نے اس کے انتظام پر کسی کو مامور کیا ہو۔ خصوصاً یہ مغالطہ جو اس دیوان کے بھیجنے کے بارے میں ہے، اس نے بندہ پر یہ اثر کیا ہے کہ جناب کی تصنیفات سے ایک مصرعہ زبان پر جاری ہے۔

گر نی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر

اس بارے میں کہ دیوان اردو کے پہنچنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، جو گمان کیا گیا ہے، یہ واضح کردوں کہ مجموعہ نظم فارسی کی درخواست کس کی جانب سے تھی۔ باقی رہا عرض حال تو میں نے جو نشان دیا ہے اور اس پر حضرت نے جو اجتہاد کیا ہے، اس کی خطا بندہ کی گردن پر یعنی نہ بندہ کو پایگاہ مولویت حاصل ہے اور نہ خطاب خانی بلکہ وہ ننگِ نام آوری اور نام آورِ عام بے نشانی ہے۔

خاکِ سرزمین مدراس میں پیدا ہوا اور آموزگارانِ سخن کی تلاش میں سفر ہندستان کے ارادے سے حیدرآباد آیا۔ اس کے بعد پیش گاہ وزارت میں قصیدہ پیش کیا اور انہوں نے قدر افزائی کے طور پر اپنی بندگی سے سرفراز فرمایا۔ ساتواں سال ہے کہ ستایش گرانہ ان کی مدح کرتا ہوں اور کارپردازانِ دارالانشار کی عزت بڑھاتا ہوں۔" (۱۶)

اب ذکا اور غالب کے تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ ذکا کی بے پناہ عقیدت نے ابتدا ہی سے تعلقات کے اعتبار کو اس قدر بلند رکھا کہ چند ہی خطوط کے بعد فریقین نے اپنے مدعا کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کیا۔

ذکا کا یہ خط غالب کے ۷ ستمبر والے خط کا جواب تھا، جو ستمبر کے اواخر یا اکتوبر ۱۸۶۱ء کے اوائل میں دیا گیا ہوگا۔ جس کے ملنے پر یقیناً اکتوبر ۱۸۶۱ء ہی میں میرزا نے ذکا کو ایک اور خط لکھا، جو اگرچہ اب دستیاب نہیں ہے، لیکن ذکا کا وہ خط جو اس زیرِ بحث مکتوبِ غالب کے جواب میں لکھا گیا ہے، وہ "خاش و خماش" میں مندرج ہے۔ ذکا کے اس جوابی خط سے ذکا کے نام غالب کے تیسرے مکتوب کے بعض مشتملات پر روشنی پڑتی ہے۔

غالب نے اپنے مکتوب میں اپنے دوا دین کی رسید کے علاوہ نواب مختار الملک کے مذاق سخن کے بارے میں استفسار کیا تھا اور یہ دریافت کیا تھا کہ وہ مختار الملک کو کس نوعیت کا قصیدہ بھیجیں اور کس طرح بھیجیں اور اس پر کس صلے کی امید کی جا سکتی تھی۔ ذکا نے اس خط کا جو جواب دیا، اس کے مطالب یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

"دیوان ریختہ کے پارسل کے ارسال کے لئے سپاس گذار ہوں۔ اگرچہ وہ ہنوز راہ میں ہے۔ میرے لب قاصد کی قدم بوسی سے آسودہ ہیں۔ مگر جس زبان سے ابر کے بارش نچھاور کرنے اور سورج کے روشنی بکھیرنے کی تعریف کی جا سکتی ہے، کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی کیسا موتیوں کا سفینہ ہے کہ بیکرا امید کو جان اور دیدۂ آرزو کو نور بخشتا ہے۔ خدایا کیسا ہو کہ وہ تارِ نگاہ جو حور کے چہرے پر بھی نہیں پڑتا اس سے میں اس کی شیرازہ بندی کروں۔ مجموعہ نظم فارسی بھی پہنچنے والا ہے۔ اس کا پہنچنا شراب شیراز کے پہنچنے سے کم نہیں ہے۔

پیش گاہ وزارت میں نظم و نثر کے بھیجنے کا اشارہ کیا گیا ہے۔ ہائے ہائے بے راہ روی اور

رسم وراہ سے آزادگی۔ اب خضر کی رہنمائی کرتا ہے۔ عجیب واقعہ اور طرفہ ماجرا ہے۔ ایسا سمجھتا ہوں کہ سیّد نے نبوت کی شہادت مانگی ہے اور بیابان کا درخت گفتار کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ اب مطلب پہ آتا ہوں اور استفسارات کا جواب دیتا ہوں۔

" جنابِ وزارت کی طبیعت سخن دان ہے اور شیوہِ سخن سے اس قدر رغبت ہے کہ اگر طومارِ سخن یوم النشور تک طولانی ہو تب بھی اس کے دیکھنے کو آج سے کل پر نہیں ڈالیں گے۔ اس کے باوصف اگر اس کے صلہ اور انعام کو پوچھیں تو وہ اہلِ سخن کا نصیب نہیں ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ جیسا سخن آفریں چاہیے وہ خود دکن میں نہیں ہے۔ جہاں تک ان کے پسندیدہ کلام کے اوصاف ہیں، وہ یہ کہ قصیدہ غیر مردّف نہ ہو اور رواں ہو اور خط میں روداد کے طور پر نشانِ نثر اداد دیا جائے۔ یعنی ان کے حال کی یہ خجستگی کہ سلطان کے آموز گار ہیں، ہزار میں ایک ہیں۔ اس کے علاوہ نیاز کار آمد ہے نیز نثر کو الفاظ فارسی سے الگ رکھنا بہتر ہے کیونکہ رواج عامہ کو اس تک رسائی نہیں ہے تاکہ اجنبیت محسوس نہ ہو۔ رہا بندہ سے خط کا جواب چاہنا اس پر مشروط ہے کہ تلمیذ معنوی سے نامزد گردانا جاؤں"۔(۱۷)

ذکا کا یہ خط اکتوبر ۱۸۶۱ء کے اواخر یا نومبر ۱۸۶۱ء کے اوائل کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد میرزا نے سالار جنگ کو ترسٹھ اشعار پر مشتمل اپنا وہ قصیدہ بھیجا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

در مدح سخن چسان نگویم　　　شرطست کہ داستان نگویم

اس قصیدہ میں روانی، ردیف وقافیہ اور مدح گستری کے علاوہ فارسی الفاظ کے استعمال میں وہ ساری باتیں ملحوظ ہیں جن کا خیال رکھنے کے لیے ذکا نے مشورہ دیا تھا۔ قصیدہ اگرچہ طویل ہے لیکن اس قدر رواں ہے کہ ممدوح بہ یک نشست پڑھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سہل ممتنع میں یہ قصیدہ کہنے کے لیے میرزا کو بڑی جگر کاوی سے کام لینا پڑا ہوگا۔ تاہم انہوں نے یہ قصیدہ نومبر ۱۸۶۱ء ہی میں کہہ دیا اور اسی مہینہ مختار الملک کے یہاں بھیج دیا۔ مختار الملک کو یہ قصیدہ نومبر کے اواخر یا بہر صورت ۲ر دسمبر ۱۸۶۱ء سے پہلے مل گیا۔ کیوں کہ یہ قصیدہ فخر الملک کے انتقال سے پہلے ہی نواب

سالار جنگ کی نظر سے گذر چکا تھا۔ یاد رہے کہ نواب میر غلام حسین خاں، صفدر جنگ، حسام الدولہ، فخر الملک، جو سالار جنگ کے خسر تھے، ان کا انتقال ۳ ر دسمبر ۱۸۶۱ء کی شب میں ہوا۔ (۱۷/۱) مختار الملک کی نظر سے اس قصیدے کے گذرنے کی اطلاع ذکا اپنے خط میں اس طرح دیتے ہیں۔

"کعبۂ من اگر مسلمانم کافرم من کلیسائی
روز ہر سو بہ سوت آوردن باشد امرے کہ تو بداں شائی

مجھ ناکام بد سرانجام کو اگر یعقوب کا مرتبہ اور پردیزہ کا عز و جاہ نہیں نہ سہی لیکن کامیابیٔ آرزو کا دعویٰ ہے۔ اُن میں سے ایک کو بوئے پیراہن ملی تھی اور دوسرے کو گنجِ بادآورد۔ مجھے دیوان ریختہ ملا ہے۔ اس کی رسید لکھنے کے لئے اتنی فرصت درکار تھی کہ میں اظہار سپاس گذاری بھی کرسکتا۔ جب قلم دان کے پاس بیٹھتا تو پھر اٹھ جانا پڑتا، کیوں کہ مدت تک میرا مزاج ناساز رہا ہے۔ کاغذ کی سپیدی اور قلم کی سیاہی سے پرہیز رہا، رُبّ السّوس اور طباشیر سے کام رہا۔

قصیدہ مدحیہ وصول ہوا۔ ممدوح نے اس کے اوراق دیکھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس دیکھنے سے کیا کُھلتا ہے۔ اب جب کہ حالات بدلے، فخر الملک کی رحلت سے جگر خون ہوگیا۔ یہ بلند پایہ جاہ متعدد ہے کہ جن کی صاحبزادی جناب وزارت کی بیوی ہیں۔ اب مدت عزا گذرنے تک میں کہاں اور جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ کہاں! خط کا جواب دینا ضروری تھا اور آج جناب والا کے صحیفہ دل نواز نے مزید تاکید کا کام کیا۔ ان امور پر مشتمل ایک خط لکھنا ضرور ہے۔ جو پہلے عرض کئے گئے ہیں کہ اس زمانے میں "کیا کہا" اور "کس نے کہا" دونوں کا اظہار ضروری ہے"۔ (۱۸)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختار الملک کو قصیدہ بھیجنے کے بعد غالب نے ذکا کو کم از کم دو خطوط لکھے ہیں۔ ایک میں اس کی اطلاع دی ہے کہ انہوں نے قصیدہ بھیج دیا ہے اور دوسرے سے یاد دہانی کی ہے۔ پہلا خط تو یقیناً نومبر ۱۸۶۱ء کے آخر یا دسمبر ۱۸۶۱ء کے شروع میں لکھا ہوگا لیکن دوسرا خط فروری ۱۸۶۲ء کا ہے کیوں کہ ناسازی مزاج کی وجہ سے ذکا "ایک مدت" تک غالب کے

خطوط کا جواب نہیں دے سکے اور مذکورہ بالا خط کا جواب ذکا کو غالب نے ۰ ارمارچ ۱۸۶۲ء کو دیا ہے۔ گویا غالب کا یاددہانی والا خط اور ذکا کا مذکورہ بالا جوابی خط دونوں فروری ۱۸۶۲ء کے اواخر کے ہیں۔

ذکا نے اپنے مذکورہ بالا خط کی آخری سطور میں میرزا کو یاددہانی کی تھی کہ وہ مختارالملک کو عرضداشت بھی بھیجیں، جس میں اپنا تعارف کروائیں۔ میرزا نے ۰ ارمارچ کو ذکا کے حسب مشورہ ایک عرضداشت نواب مختارالملک کو بھیجی اور ساتھ ہی اس کی نقل کے ساتھ ذکا کو بھی خط لکھا۔ عرضداشت سالارجنگ کو وصول ہوئی اور ان کی نظر سے گذری۔ اس سلسلہ میں ذکا نے مزید جو کوششیں کی ہیں، اس کی اطلاع میرزا کو جس خط سے دیتے ہیں، وہ مارچ یا اپریل ۱۸۶۲ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے مطالب کا خلاصہ یہ ہے۔

> "نواب مختارالملک کے نام ۰ ارمارچ کو لکھی ہوئی عرضداشت نہایت درست ومناسب ہے اور اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جس کا میری خاطرِ خطا اندیش میں کھٹکا تھا۔ یہ عرضداشت ملی اور معروض الیہ کی نظر سے گذری میں نے دفتر کے میرمنشی مولوی عبدالقادر کو اس پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ دوبارہ ذکر چھیڑیں اور جناب والا کے محامد کو پھر سے گوش گذار کریں۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ گذارش دل نشین ہوگئی اور عبارت شیریں نے ضمیر کو جس طرح کام بخشی پر رجوع کیا ہے، وہ صاف جھلکا پڑتا تھا۔ جواب فرمایا جو مصلحت آمیز تھا۔ فائدہ اس کا یہ ہے کہ صلہ ضرور ہے اور واسطہ بھی۔ اس جواب سے کہ جو مصلحت وقت کے لحاظ سے سخن سازوں کا منھ بند کرتا ہے، یہ کھلتا ہے کہ "زبان آورِ ہندستان"، کو پوشیدہ طور پر تعارف نہیں چاہیے۔ اس کے بعد اگر عرضداشت اور قصیدہ کا منشی ایجنٹ دہلی یا کسی ایسے انگریز کے توسط سے بھیجیں جو وہاں ذی اقتدار ہو۔ حضرت نے اپنی زبانِ قلم سے جو فقرہ لکھا ہے ممکن نہیں کہ اس کا بُطلان ہوسکے (فقرہ: برخوانِ نوالِ

نواب مختار الملک بہادر بخشی دبہرہ بہرمن نیز نہادہ اند" (۱۹)

قصیدے کے بعد ذکا کے مشورہ پر ۱۰ رمارچ ۱۸۶۲ء کو غالب نے مختار الملک کو جو عرضداشت بھیجی، وہ کہیں دستیاب نہیں ہو سکی۔ اگرچہ "کلیات نثر فارسی" میں مختار الملک کے نام غالب کی ایک عرضداشت موجود ہے لیکن اس کے مشتملات میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو ذکا کے مشورہ پر مبنی ہوں اور میرزا نے اس میں اپنا تعارف کروایا ہو۔ اس کلیات نثر میں شمس الامراء کے نام جو عرضداشت ہے، اس میں میرزا نے اپنا تعارف کروایا ہے۔ توقع ہے کہ میرزا نے ۱۰ رمارچ والی عرضداشت اسی نوعیت کی لکھی ہوگی۔ اس کے بعد نومبر ۱۸۶۳ء تک میرزا نے نواب مختار الملک کو نو عرضداشتیں بھیجیں۔ جن کے منجملہ ایک عرضداشت وہ بھی ہے جو کلیاتِ نثر میں شامل ہے۔

ہمارا قیاس ہے کہ یہ دوسری عرضداشت ہے۔ اس میں میرزا نے اپنا تعارف نہیں کروایا ہے، کیوں کہ انہیں ذکا کے خط سے اطلاع مل ہی چکی تھی کہ عرضداشت مختار الملک کی نظر سے گذر چکی ہے۔ جس عرضداشت کو دیکھ کر مختار الملک نے غالباً یہ کہا تھا "زبان آور ہندوستان کو سراً و جہراً تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ عرضداشت جو کلیات نثر میں مندرج ہے، اس میں غالباً سالار جنگ کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ " اگر سخن گستری میں بلند آوازہ ہو تو ہو لیکن عقل یہ کہتی ہے کہ بغیر روشناسی کے خط لکھنا جسارت ہے۔" گویا ایک پیرایۂ انکسار سے انہوں نے یاد دہانی کا کام لیا اور کلیات نثر کی عرضداشت پہلی نہیں ہے بلکہ دوسری ہے۔

اس کے بعد میرزا اور ذکا کے تعلقات کے بارے میں کم و بیش ایک سال تک کوئی خبر نہیں ملتی۔ ان بارہ مہینوں میں اپنے قصیدے کے صلے کی پیروی کے لیے میرزا نے راست طور پر

دفتر وزارت سے تعلق رکھا اور عرضداشت پر عرضداشت بھیجتے رہے۔ ممکن ہے کہ اس دوران میں ذکا اور غالب کے درمیان کچھ خط وکتابت ہوئی ہو، لیکن وہ کہیں دستیاب نہیں ہوئی۔ مگر یہ تعجب کا مقام ہے کہ ذکا کے اس سارے عجز و انکسار اور شدید عشق و محبت کے باوجود میرزا نے ان کو اپنی شاگردی میں نہیں لیا۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس مدت میں میرزا غالب، ذکا سے کسی حد تک بدظن رہے ہوں، کیوں کہ ذکا کے تعلقات محی الدولہ اور غلام امام شہید دونوں سے اچھے خاصے تھے۔

میرزا غالب، ذکا کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی حیدرآباد میں غلام امام شہید کے حالات معلوم کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ غالب کو یہ معلوم تھا کہ شہید کو محی الدولہ نے حیدرآباد بلایا تھا۔ ذکا اور محی الدولہ میں قریبی تعلقات تھے۔ ۲ر جنوری ۱۸۶۳ء کو حکیم غلام نجف خاں کے نام میرزا نے جو خط لکھا ہے، اس میں شہید کے بارے میں حسب ذیل استفسار کیا ہے۔

> "مولوی فضل رسول صاحب حیدرآباد گئے ہیں۔ مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ محی الدولہ محمد یار خاں سورتی نے ان صورتوں (۲۰) کو وہاں بلایا ہے پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو گیا ہے تو مجھ کو ضرور لکھو۔" (۲۱)

بہت ممکن ہے کہ حکیم غلام نجف خاں اس زمانے میں حیدرآباد آئے ہوئے ہوں اور انہوں نے یہاں کی ساری تفصیلات غالب کو لکھ بھیجی ہوں۔ چوں کہ اس خط کے بعد حکیم غلام نجف خاں کے نام ایک سال تک میرزا کا کوئی دوسرا خط نہیں ملتا، اس لیے مزید تفصیلات کا اندازہ مشکل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ غلام امام شہید کو اکبرآباد سے نواب محی الدولہ ہی نے ایک ہزار روپے زادِ راہ دے کر حیدرآباد بلوایا تھا۔ شہید کے کلام کی فرمائش پر مشتمل محی الدولہ نے ایک اعلا درجہ کا طویل ادبی خط جو سر تا سر عقیدت میں ڈوبا ہوا تھا، شہید کو حیدرآباد آنے سے پہلے لکھا تھا۔ یہ خط دراصل ذکا ہی کا لکھا ہوا تھا۔ چناں چہ یہ خط خاش و خماش میں شامل ہے۔ (۲۲)

لہٰذا ایسے ماحول میں ذکا کی صدق نیت پر بھروسہ کرنے میں میرزا کو تامل تھا۔ ذکا کو یا تو اس سوئے ظن کی اطلاع ہو گئی یا انہوں نے اس کو بھانپ لیا۔ ذکا کے چونکنے کے اسباب بھی تھے، وہ یہ کہ غلام امام شہید کے سامنے وہ میرزا کا تذکرہ جس عقیدت سے کرتے تھے یا شہر میں میرزا

سے ذکا کی عقیدت کا جو شہرہ تھا، اس پر شہید کا ردِ عمل بھی تھا، جو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ شہید کے اشعار میں بھی اس طرف اشارے ہونے لگے۔ اس صورتِ حال کا اندازہ کرتے ہی ذکا نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی کہ میرزا کا دل صاف کریں۔ اور ان کو یہ لکھا کہ اگر وہ طریقِ بندگی سے ہٹ جائیں تو یہ ارتداد کے برابر ہوگا۔ جون یا جولائی ۱۸۶۳ء میں ذکا نے میرزا غالب کو جو خط لکھا اس میں نہ صرف اپنے راسخ العقیدہ ہونے اور غلام امام شہید کے مخالف ہونے کی اطلاع دی ہے بلکہ عجز و الحاح کے ساتھ میرزا سے درخواست کی ہے کہ وہ انھیں اپنی شاگردی میں لے لیں۔

ذکا کے اس خط کے مطالب یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

"یا نعم المولا و خیر الآبا۔ قصور معاف۔ ایک مدت سے خاطرِ شریف کا بھلایا ہوا ہوں۔ اور یہ ارتکاب خدانخواستہ طریقِ بندگی سے ارتداد ہو جائے گا، کیوں کہ خلوص ارادت کو آئینِ اسلام سمجھتا ہوں۔ آں جناب کے قصیدہ و عرضداشت کی جانب آغائے ولی نعمی کا التفات بلاشبہ اگرچہ مولانا موئید الدین خاں صاحب کی تحریک و ترغیب ہی سے ہوا ہے۔ لیکن ابھی اس طرف سے کچھ آثار نہیں ہیں اور میں کامل قلبی کا متہم ہو رہا ہوں۔ اس انتظار میں تھا کہ ایک لطیفہ ہوا ہے وہ یہاں لکھتا ہوں۔

وحید العصر فرید الدہر مولوی غلام امام شہید صاحب مجھ ہیچ میرز کو جناب والا کے مریدوں میں سے سمجھتے ہیں۔ جھوٹ کیوں کہوں کہ مدعی سے کم نہیں سمجھتے۔ چنانچہ ان دنوں انھوں نے ایک قصیدہ بعنوان "شمس الضحیٰ" لکھا۔ جس کا مطلع اوّل یہ ہے ؎

"عید است شیشہ شد فلک و ساغر آفتاب"

یہ قصیدہ بڑے دعوے سے لکھا ہے اور اس کی دو نقلیں کروائیں تاکہ ایک منشی غلام غوث بے خبر کو بھیجیں کیوں کہ ان بزرگوار کے بیان کے مطابق منشی غلام غوث بے خبر ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور آج کل "قاطع برہان" کا رد لکھنے میں مصروف ہیں۔ دوسری نقل بندہ کو

ہدیتاً عنایت فرمانا چاہتے تھے چونکہ اس میں روئے سخن بیشتر مدعی کی جانب تھا اور قصیدہ نگار بزعم خود یہ سمجھتا تھا کہ اس کا جواب ممکن نہیں ہے۔ میں نے بھی اس زمین میں تفنناً طبع آزمائی کی اور ایک مطلع اور ایک حسن مطلع بہم پہنچایا ہے، جو یہ ہے۔

بر کرد تا مقابلِ طبعم سر آفتاب
خطِ شعاع شد خط بطلاں بر آفتاب
دعویِٔ شہرتم رسدش آں زماں کہ خود
از باختر رسد بہ سوئے خاور آفتاب

یاروں نے یہ دونوں شعر بعینہٖ فریقِ ثانی کو پہنچا دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوار نے قصیدے کی نقل نہ کر کے کہیں رکھ چھوڑی ہے۔ نہیں معلوم کہاں رکھ چھوڑی ہے۔

میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جناب والا کے خدام سے منسلک ہونا اور نام پیدا کرنا ایسا ہے جیسا میرؔ نے کہا ہے۔

نے نگاہ نے پیام نے وعدہ
نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں

جناب سے استفاضہ میں ناکام رہنا ؟ یعنی چہ ؟ ہزار عجز و الحاح کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بندے کو اپنے تلامذۂ اشرافیہ میں شمار فرمائیں اور اس التفات سے دریغ نہ فرمائیں جو میرے لائق ہو۔ دو غزلیں ایک شہیدؔ صاحب کے جواب میں اور دوسری نظیریؔ کی زمین میں بہ امید اصلاح بھیجتا ہوں اور اس ارشاد کا متوقع ہوں کہ 'بارے نظم و نثر کا جو مجموعہ اب تک فراہم ہوا ہے خدمت میں بھیجا جائے'۔ اور اس نظم و نثر میں جو تغیر و تبدیلی ہوگی، اپنی قوت ممیزہ سے فیض صحبت اٹھاؤں۔" (۲۳)

اس خط کا پہنچنا تھا کہ میرزا کا دل صاف ہوگیا اور انہوں نے ذکا کو اپنے اخوان الصفا میں

شامل کرلیا اور ان کو اپنا رازدار بنالیا۔ اس معاملہ میں میرزا کچھ دیر کے لیے قصیدہ مختار الملک کے مسائل کو بھول گئے اور یہاں سے میرزا غالب اور ذکا میں گروہ قتیل کے خلاف معرکہ آرائی کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ذکا نے غلام امام شہید کے فارسی کلام پر اعتراضات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا اور یہ رسالہ میرزا غالب کے یہاں بھیجا جس کو انہوں نے بے حد پسند کیا۔ (۲۴)

منشی غلام غوث بے خبر کے بارے میں شہید نے ذکا کے سامنے جو بے بنیاد باتیں کہی تھیں، میرزا نے ان کی صفائی کردی۔ شہید کے مطلع کے پہلے ہی مصرعہ پر میرزا نے سخت تنقید عاید کردی۔ اسی خط کے ذریعہ میرزا نے ذکا کو اپنی شاگردی میں داخل کرلیا، لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ میرزا کا پورا خط ملاحظہ کیجیے۔

"صبح سہ شنبہ ۱۳۔ صفر سال غفر (۱۲۸۰ھ) صاحب، میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں۔ اپنا نور نظر و لخت جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبطِ راز نہیں کرسکتا اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں۔

قصیدہ و غزل میں صلہ و تحسین بہ اقتضائے بخت و قسمت ہے،

"نہ باندازۂ ارزش کلام، ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا۔ اغنیاء کو نہ مذاق شعر سے نسبت نہ مطالعہ اشعار کی فرصت۔ متوسط نے بقدر وسع سلسلہ جنبانی کی۔ لیکن مرجع نے نہ قدردانی کی۔"

مولوی غلام غوث خاں بے خبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مخلصِ خالص الاخلاص ہیں۔ ہرگز ان کو مدعی سے تلمذ نہیں۔ البتہ اس کو خوش گوار جانتے ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور "قاطع برہان" کا جواب لکھیں۔

باطل است آنچہ مدعی گوید

مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیر (۲۵)

جیسا محتسب اور مولوی جامی (۲۶) جیسا مفتی کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اور کاذب کو سزا دے ؟ شکر ہے خدا کا تم سخنور اور سخندان ہو اور یقین ہے کہ قلمرو ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رتبے کو ممیز ہو سکیں گے۔

عید است بادہ شد فلک۔۔ و ساغر آفتاب

حالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے۔ اس کو کون مُسلّم رکھے گا ؟ اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے، یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے۔ آفتاب و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے، شراب اور فلک میں وجہ تشبیہہ کہاں ؟ میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدردانی کیوں کر کہوں قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ، نہ استادانہ، جو خیال میں آئے گا کہا جائے گا۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے۔ ما کُتب فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعۂ کلام سابق اگر بھیج دو گے میں بکمال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دوں گا۔ استجازت کیا ضرور ؟

نجات کا طالب، غالب

(۱۳ صفر ۱۲۸۰ھ مطابق ۳۰۔ جولائی ۱۸۶۳ء)(۲۷)

اس خط میں میرزا نے شہید کا مصرعہ یوں نقل کیا ہے۔ "عید است بادہ شد فلک۔۔ و ساغر آفتاب" حالاں کہ شہید کا مصرعہ یوں ہے۔

"عید است شیشہ شد فلک و ساغر آفتاب"

یعنی مرزا نے شیشہ کی جگہ بادہ لکھ دیا ہے۔ یہاں ان کو تسامح ہو گیا ہے۔

میرزا کے مختلف خطوط سے اس امر کی شہادتیں ملتی ہیں کہ وہ اپنے نام موصولہ مکتوبات کا مطالعہ توجہ سے کرتے تھے۔ ان مکتوبات کے مشتملات اور اصلاح طلب اشعار تک

ان کے ذہن نشین ہو جاتے تھے اور اب جو وہ ان کا جواب اپنے حافظے کی بنیاد پر دیتے تھے۔ اس طرز عمل میں سہو و تسامح کا امکان زیادہ ہے۔ میرزا سے شہید کے اس مصرعہ میں ایک لفظ کے یاد رکھنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ لیکن اگر اس مصرعے کو لفظ شیشہ کے ساتھ پڑھیں تب بھی میرزا نے جو تنقید کی ہے وہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

ذکا نے اپنے مکتوب میں غلام امام شہید کے جواب میں کہی ہوئی ایک، اور نظیری کی زمین میں کہی ہوئی جو دوسری غزل بغرض اصلاح میرزا کو بھیجی تھی اس کا ذکر اگرچہ اس خط میں نہیں ہے، لیکن ۲۶ راگست ۱۸۶۳ء کو میرزا نے ذکا کے نام جو خط لکھا ہے اس میں ایک غزل کے اصلاح طلب اشعار پر بصراحت وجوہ اصلاح دی ہے۔ ان دونوں مکتوبات کے درمیان چھبیس ۲۶ دن کا فصل ہے۔ ممکن ہے اس عرصہ میں ذکا نے غالب کو کوئی خط لکھا ہو۔ لیکن نہ تو ایسا کوئی خط ملتا ہے نہ ہی میرزا کے خط میں اس کا کوئی تذکرہ ہے۔ یہاں میرزا کا پورا خط پیش کیا جاتا ہے۔

"حضرت مولوی صاحب،

بیس برس دن سے بیمار اور تین مہینے سے صاحب فراش ہوں۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار، پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضا پر دس جگہ پھائے لگتے ہیں۔ ضعف و ناتوانی علاوہ، سوز غم ہائے نہانی علاوہ، صنعت سہل ممتنع میں، میں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدردانی نہ فرمائی۔ ردّ فرقہ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی، وہ محی الدولہ کو بھیجی، رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگرد قتیل وہاں کوس "انا ولا غیری" بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں۔ ایک کم ستر برس کی عمر میری ہوئی۔ سوائے شہرت خشک کے فن شعر کا کچھ پھل نہ پایا۔ فرماں رواں وہاں عصر معتقد ہوئے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ "احسنت" و "مرحبا" کا شعور سامعہ فرسا ہوا۔ خیر ستایش کا حق ستایش سے ادا ہوا۔ مختار الملک تو یہ بھی

نہ کیا۔ نہ مدح کی داد دی، نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے۔ محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے!![۲]

کل سے پلنگ پہ لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں

دیدیم گل و لالہ چہا رنگ برآورد

فقیر کے نزدیک دیدیم زائد ہے، اگر یوں ہو تو بہتر ہے۔

ہر یک زگل و لالہ چہا رنگ برآورد (۲۸)

باشد شفقے کاں بلب لعلِ تو ماند

گر چرخ بکام دِل ما رنگ برآورد

"باشد" مخل معنی ہے۔ اگر اس کی جگہ "آرد" ہو تو بہتر مگر "آرد" صیغۂ مستقبل کا اور "آورد" ماضی کا اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ۔ چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے۔ مگر فارسی گویانِ ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے۔

حاشا کہ شفق مثل لبِ لعل تو باشد

کے چرخ بکامِ دل ما رنگ برآورد

مصرع — خون شد دل غم دیدہ الخ (۲۹)

یہ شعر ہموار ہے۔ نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج۔ چوتھا اور پانچواں یہ دو شعر واہ کیا کہنا۔ (۳۰)

اے اہل ورع الخ (۳۱) یہ بھی ہموار ہے۔ نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح۔

گوئی کہ زباں در دہنم برگ حنا بود

تا بوسہ زدم آں کفِ پا رنگ برآورد

مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں۔ زبان چاٹنے کا آلہ ہے نہ چومنے کا۔ زبان برگ حنا بن گئی تو بوسہ سے کف پا کیوں حنائی ہو جائے؟

گوئی دہنم لب زرگ برگِ حنا داشت

تا بوسہ زدم آں کفِ پا رنگ بر آورد (۳۲)

مقطع اور اس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ اب آپ اس خط کی رسید لکھیے اور اس میں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھیے کہ ان کی وہاں کیا صورت ہے۔ ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ مختارالملک نے منہ نہ لگایا، مگر محی الدولہ نے چار سو روپے مہینہ سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہے۔

روز چہار شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ (۳۳) مطابق ۲۶ - اگست ۱۸۶۳ء" (۳۴)

اس خط میں دو باتیں محل نظر ہیں۔ ایک تو نواب مختارالملک کی قدر ناشناسی اور میرزا کی مایوسی۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ مختارالملک کے یہاں اپنے قصیدے کے صلے کے لیے پیروی سے میرزا تھک گئے تھے۔ بلکہ ان کی پیروی اس کے بعد بھی ایک عرصے تک چلتی رہی، دوسری بات غلام امام شہید کا ذکر اور حیدر آباد میں ان کی قدر افزائیوں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کے لیے میرزا کی بے چینی ہے۔ ذکا نے میرزا کے مستفسرہ تمام امور پر حاوی جو تفصیلی خط لکھا ہے، اب اس کے مطالب ملاحظہ کیجیے۔

"یا نعم المولا

جناب کا نامہ سر و چشم پر رکھا۔ اور شرمسار ہوں کہ ناسازئ مزاج کے باوصف معتقدوں کی خوشی کا خیال فرمایا اور خود سقیم رہ کر ان کے اشعار کے سقم کی اصلاح کا خیال فرمایا۔ یہ ایسا کام ہے کہ جو ہزار جان عزیز نثار کرنے کے لائق ہے۔ اور میری جان وہ شئے ہے جو کلیتہً ہیچ اور تمام تر ناچیز ہے۔ لہٰذا میرا سر جھکا ہوا ہے۔ اور ہاتھ دعا کے لیے بلند ہیں۔ خدایا! یہ تیری مرضی ہے کہ حضرت کو بستر پر ڈال دیا ہے تو اسے خواب راحت سے مبدل فرما اور آبلوں کے دانے جو تنِ مبارک پر نکل آئے ہیں، شبنم شفا کے نقطے ہو جائیں۔

غلام امام شہید نے فی الواقعی اس ملک میں میدانِ شاعری اور اظہار شجاعت میں کمر چست کی ہے۔ اور محی الدولہ نے جو کہ بجائے خود عاشق رسول ہیں اُن کے ساتھ نسبت رقابت درست کی ہے۔ اس بزرگوار کی مولود خوانی کی محفلوں اور اس پر اعوان و انصار کی وجد آفرینی اور تماشہ پسندوں کی توجہ اور التفات اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ شہر کے بھانڈوں کو نقل وطن کے سوا چارہ نہیں رہ گیا ہے۔

حضرت ولی النعمی کی رتبہ شناسی زر ماہانہ کے تعین میں کبھی ایسی مسرفانہ ہے کہ مولوی موئید الدین خاں صاحب کو سارے تقرب و جلالت وکفالت عہدہ عدالت کے باوجود چار سو روپے نہیں ملتے اور اور شہید صاحب نے یہی مقدار زر بلہہ فریبی کی مزدوری کے طور پر اڑالی ہے۔ اگرچہ انکار رہا مگر محی الدولہ نے کہ جناب وزارت مآب کی وکالت انہی کے سپرد ہے، پیش گاہ ریاست میں اپنے اصرار کو اس وقت تک ختم نہیں کیا جب تک کہ حکم اجرا صادر نہیں ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ عنقریب یہ مصداق ان پر صادق آئے گی کہ

" باندھے گاؤں بسنے نہیں"

مجھے حیرت ہے کہ آپ خط اور قصیدے کی بابت حضور نواب مختار الملک بہادر میں یاد دہانی اور گذارش کے لیے مولوی موئید الدین خاں صاحب کی طرف رخ کیوں نہیں فرماتے۔ کیونکہ مولوی صاحب پاس ہم وطنی سے قطع نظر جناب والا کے محامد کو کمالِ گرم خونی اور تپاک دردونی کے ساتھ بیان کرتے ہیں" (۳۵)

ذکا کا یہ خط معاصر حیدر آباد کی ادبی زندگی کو سمجھنے کے لیے ایک اہم دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ خاش وخماش میں یہ خط مندرج ہے۔ لیکن جہاں جہاں اسمائے خاص آئے ہیں، وہاں ان کو حذف کر کے صرف لفظ فلاں رکھ دیا گیا ہے۔ خاش وخماش ذکا کے انتقال کے بعد چھپی، لیکن ان کے فرزند محمد میراں نے ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی اس غرض سے کی ہے کہ ان خطوط کی اشاعت سے کھلے طور پر کسی کی دل شکنی نہ ہو اور تنازعات کا دروازہ نہ کھل جائے۔ لیکن خاش و خماش کے جو مخطوطے اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں بھی لفظ فلاں نہیں ہے، بلکہ صاف صاف نام لئے گئے ہیں جو منقولہ مطالب میں داخل کر دیئے گئے ہیں۔

اگرچہ "خاش وخماش" میں اشاعت کے وقت ناموں کو حذف کر دیا گیا، لیکن اس کی اشاعت سے بہت پہلے یہ اختلافات کچھ نہ کچھ رنگ لا کر رہے۔ اس معاملہ میں ذکا اور غالب کے تعلقات میں جو وسوسہ پڑ گیا تھا، اس کی جانب ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ اسی زمانے میں منشی غلام غوث بیخبر اور میرزا غالب میں جو خط و کتابت ہوئی ہے، اس سے اس معاملے پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ نیز ان مباحث کی روشنی میں میرزا غالب کے ان خطوط کی تاریخوں کا تعین بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض خطوط پر تاریخوں کا اندراج نہیں ہے۔

حیدر آباد میں ذکا اور غلام امام شہید کی نوک جھونک میں شہید کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ میرزا غالب ذکا کو شہید کے خلاف لکھ رہے ہیں۔ شہید نے ذکا کو یہ غلط باور کرا دیا تھا کہ بے خبر

قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں اور شہید کے شاگرد ہیں، جس کی تردید میرزا غالب نے کردی تھی۔ اس تردید سے شہید کو زک اٹھانا پڑی ہوگی۔ لہٰذا شہید نے اس موقع پر غلام غوث بے خبر کو ایک ایسا خط لکھا جس میں خود اپنی اور میرزا غالب کی ملاقات اور تعلقات کو پیش کیا اور یہ لکھا کہ ان سارے تعلقات کے باوجود ان دنوں میرزا غالب ذکا کو ایسے خطوط لکھ رہے تھے، جن سے شہید کی توہین ہوتی تھی۔ اس خط کی بنیاد پر غلام غوث بے خبر نے میرزا غالب کو ایک شکایت آمیز خط لکھا۔ اب میرزا غالب ان تعلقات کے بارے میں مخمصے میں پڑ گئے۔ تاہم انہوں نے منشی غلام غوث بیخبر کے خط کا ایک نہایت مصلحت آمیز جواب دیا جو یہ ہے۔

"قبلہ

میں نہیں جانتا کہ ان روزوں میں بقول ہندی اختر شناسوں کے کون سی کھوٹی گرہ آئی ہوئی ہے کہ ہر طرف سے رنج و زحمت کا ہجوم ہے۔ مولوی صاحب سے میری ایک ملاقات، جب وہ دہلی آئے تھے اور میر خیراتی کے گھر میں اُترے، ہوئی تھی۔ شرفا میں تعارف بنائے محبت و مودت ہے۔ چہ جائے آں کہ معانقہ اور مکالمہ اور مشاعرہ واقع ہوا ہو۔ روز ملاقات سے اس دن تک کہ حضرت دکن کو روانہ ہوں کوئی امر ایسا کہ باعث ناخوشی کا ہو درمیان نہیں آیا اور میرے اس قول کی اس راہ سے کہ مولوی صاحب آپ کے ہم نشین و ہمدم تھے اور مجھ میں اور آپ میں پیوند ولائے روحانی متحقق ہے، آپ بھی گواہ ہو سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ مجھ میں ان میں رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت جلد اصلاح بین الذاتین کی طرف متوجہ ہوتے۔

اب سنیئے حال منشی حبیب اللہ کا۔ میں نے ان کو دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں۔ تین چار برس ہوئے کہ ناگاہ ایک خط حیدر آباد سے آیا اس میں دو غزلیں۔ خط کا مضمون یہ کہ میں مختار الملک کے دفتر میں نوکر ہوں، آپ کا تلمذ اختیار کرتا ہوں۔ ان دونوں غزلوں کو اصلاح دیجئے۔

اس امر کے فقط وہ بادی نہیں، بریلی اور لکھنؤ اور کلکتہ اور بمبئی اور سورت سے اکثر حضرات نظم و نثر فارسی و ہندی بھیجتے رہتے ہیں۔ میں خدمت بجالاتا ہوں۔ اور وہ صاحب میرے حک و اصلاح کو مانتے ہیں۔ کلام کا حسن و قبح میری نظر میں رہتا ہے اور ہر ایک کا پایہ اور دستگاہ فن شعر میں معلوم ہو جاتا ہے۔ عادات و عندیات، عدم ملاقات ظاہری کے سبب میں کیا جانوں۔ آمدم برسر مدعا۔ منشی حبیب اللہ ذکا کے اشعار آتے رہے اور میں اصلاح دے کر بھیجتا رہا۔ بعد دار د ہونے مولوی صاحب کے ایک غزل ان کی آئی اور انہوں نے یہ لکھا کہ مولوی غلام امام شہید اکبرآبادی کی غزل پر یہ غزل لکھ کر بھیجتا ہوں۔ میں نے حسب معمول غزل کو اصلاح دے کر بھیجا اور یہ لکھا کہ مولانا شہید اکبرآباد کے نہیں ہیں۔ لکھنؤ و رالہ آباد کے ہیں۔ اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی۔ اس میں سے توہین کے معنی مستنبط ہوں تو میں ان کا مستہن سہی۔ اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب نے آپ کو کیا لکھا۔" (۳۶)

اس خط میں میرزا نے ذکا کے اولین خط ملنے کی مدت تین چار برس بتلائی، اس لحاظ سے میرزا کا یہ خط ۱۸۶۴ء کا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری باتیں جو غلط معلوم ہوتی ہیں، وہ "دروغ مصلحت آمیز" سے زیادہ نہیں ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرزا کے جواب سے بے خبر کچھ زیادہ مطمئن نہیں ہوئے۔ یا پھر شہید نے بے خبر کو میرزا سے بدظن کرنے کی مزید کوشش کی۔ چناں چہ بے خبر نے میرزا کو پھر کچھ لکھا۔ اب کی میرزا نے جو جواب دیا اس میں ایک مصلحت سے یہ استفسار کر لیا ہے کہ آیا بے خبر "قاطع برہان" کا جواب لکھ رہے ہیں؟ اس خط کا اقتباس یہ ہے۔

"قبلہ

میرا ایک شعر ہے ؎

خود بینش خود کفیلِ گرفتاریِ من است

ہر دم بہ پرسشِ دلِ مایوس میرسد

یہ معاملہ میرا اور آپ کا ہے۔ خارج سے مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع کے نکال کر ایک نسخہ موسوم بہ قاطع برہان لکھا ہے۔ اور ایک مجلد اس کا آپ کو بھی بھیج دیا ہے، آپ اس کی تردید میں کوئی رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگرچہ باور نہیں آیا۔ لیکن عجب آیا۔" (۳۷)

منشی غلام غوث بےخبر نے بلقیناً اس اطلاع کی تردید کی۔ اب میرزا کو موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے بےخبر کو آگاہ کر دیا کہ یہ اطلاع شہید کی دی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا کہ بےخبر شہید کے شاگرد ہیں۔ میرزا کے خط کے فقرات ملاحظہ ہوں۔

"میں سادہ دل آزردگیٔ یار سے خوش ہوں

یعنی سبقِ شوق مکرر نہ ہوا تھا

پیر و مرشد، خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سنا۔ مجھے باور نہ آیا۔ یہاں تک تو میں موردِ عتاب نہیں ہو سکتا۔ جھگڑا استعجاب پر ہے۔ محل استعجاب وہ ہے کہ آپ کا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیا کا یہ حال ہے۔ وائے بر حال ہم اشقیا۔ یہ حکایت ہے شکایت نہیں ہے۔ میں دنیاداری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں لیکن فقیر آزاد ہوں نہ شیاد و کیاد۔ ستر برس کی عمر ہے۔ بے مبالغہ کہتا ہوں ستر ہزار آدمی نظر سے گذرے ہوں گے زمرۂ خواص میں سے۔ عوام کا شمار نہیں۔ دو مخلصِ صادق الولاد یکھے۔ ایک مولوی سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ دوسرا منشی غلام غوث سلمہ اللہ تعالیٰ۔ لیکن وہ مرحوم حسن صورت نہیں رکھتا تھا۔ اور خلوص اخلاص اس کا خاص میرے ساتھ تھا۔ اللہ اللہ، دوسرا دوست خیر خواہِ خلق، حسن و جمال، چشم بد دور، کمال مہر و وفا، صدق و صفا، نورٌ علیٰ نور ہیں

آدمی ہوں آدم شناس ہوں ے

نگاہم نقب ہمی زد بہ نہاں خانۂ دل
مژدہ باد اہل ریا را کہ زمیداں رفتم

غایت مہر و محبت جس کے ملکہ کائنات کو مالک سمجھتا ہوں و بہ نسبت اپنے اس قدر یقین کرتا ہوں کہ پہلے دو آدمیوں کو اپنے بعد اپنا ماتم دار سمجھا ہوا تھا۔ ایک کو تو میں رولیا۔ اب اللہ آمین کا ایک دوست رہ گیا دعائیں مانگتا ہوں کہ خدایا اس کا داغ مجھے نہ دکھائیو۔ اس کے سامنے مروں۔ میاں میں تمہارا عاشق صادق ہوں۔ بھائی ابھی قطب سے نہیں آئے۔ "دافع ہذیان" کے دو مجلد اور بھیج دوں گا۔" (۳۸)

اس خط کے ذریعہ میرزا نے منشی غلام غوث کا دل پوری طرح اپنا کر لینے کی کوشش کی لیکن کچھ نہ کچھ باتیں جو غالب و ذکا کی مراسلت میں تھیں ان کی پردہ پوشی ضروری رہی جس کا ذکر "عودِ ہندی" کی اشاعت کے سلسلے میں اسی مضمون میں آگے آئے گا۔

۹

میرزا کو یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ محی الدولہ نے غلام امام شہید کو چار سو[۴۰] روپے مہینہ سرکار سے مقرر کروا دیا ہے۔ لیکن ذکا نے جہاں اس کی توثیق کی تھی وہیں اس کا بھی اظہار کر دیا تھا کہ یہ سلسلہ چلنے والا نہیں ہے۔ ذکا کی یہ رائے اس لیے اہم ہے کہ وہ مختار الملک کے مقرب اور مزاج داں تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حیدرآباد کی محافل مولود خوانی کا جو نقشہ ذکا نے کھینچا ہے وہ ہرگز اس لیے نہیں ہے کہ میرزا کو خوش کیا جائے، بلکہ میلاد کی محفلوں کی یہ نوعیت ایسی صورت اختیار

کر چکی تھی کہ ایک عرصہ بعد فرمان شاہی کے ذریعہ ان کو موقوف کر دیا گیا۔

ذکاؔ نے اس خط میں قصیدہ کی پیروی کے لیے مولوی موئید الدین خاں صاحب سے رجوع کرنے کے لیے میرزا کو جو مشورہ دیا اس کو میرزا نے قبول کیا اور قصیدہ کے نتیجہ کے صلے اور واسطے کی جو امید بھی وہ ایک بار پھر تازہ ہوگئی۔ اسی زمانے میں یعنی جون ۱۸۶۳ء میں میرزا کے کلیات نظم کا تازہ ایڈیشن چھپ کر شائع ہوگیا۔ اس میں وہ قصیدہ بھی چھپ گیا جو میرزا نے سالار جنگ کی مدح میں کہہ کر ان کے یہاں عرضداشت کے ساتھ بھیجا تھا اور اس کے بعد متواتر عرضداشتیں بھیجتے رہے لیکن یہ عرضداشتیں دارالانشاء میں پڑی رہتیں اور مختار الملک تک نہیں پہنچتی تھیں۔ کلیات کی اشاعت کے بعد سلسلہ جنبانی کی ایک نئی صورت نکل آئی۔ ذکاؔ کے مذکورہ بالا خط کے وصول ہونے کے بعد میرزا نے مولوی موئید الدین خاں کو کلیات کا پارسل بھیجا تاکہ وہ اسے مختار الملک کے پاس پیش کریں اور اس کی اطلاع ۲۵ر ستمبر ۱۸۶۳ء کے مرقومہ ایک خط سے ذکاؔ کو دی اور اس خط میں یہ ہدایت دی کہ وہ یہ تحریر مولوی صاحب کو دکھلادیں، چوں کہ خط میں خط ملفوف کرنا حکام کی جانب سے ممنوع تھا۔ میرزا کا یہ خط حسب ذیل تھا۔

"مولانا

ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں یہاں سے خط جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا۔ اس میں، میں نے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش، اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمت آزادانہ، نہ فطرت گدایانہ اس تحریر کے پانے پر مصروف رکھی گئی۔ بارے وہ گل نظر افروز اور طبیعت اس کے مشاہدہ سے طرب اندوز ہوئی۔ اب درنگ ورزی کی تقصیر معاف کیجیے اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجیے۔

صاحب تاریخ انطباعِ کلیات خوب لکھی ہے (۳۹) مگر ہزار حیف کہ بعد از انطباع پہنچی۔ کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرور، تم چراغ دودمان مہر و وفا اور منجملہ اخوان الصفا ہو، مجھ سے تمہیں

محبت روحانی ہے گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے
طالب ہو، اس شیوے میں شریک غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول
ہو تا کہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ واقعہ حال
دل نشین کرتا ہوں۔ جناب مولوی موئیدالدین خاں صاحب کے
بزرگوں میں فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلّت و صفوت مرعی تھی کہ وہ
مقتضی اس کی ہوئی کہ ہم اور ان میں برادرانہ ارتباط و اختلاط باہم ہے
اور ہمیشہ یونہی بلکہ روز افزوں رہے گا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانب
حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں ان کے نام کا خط تمہارے
خط میں ملفوف کر کے بھیجتا۔ ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ
مولوی صاحب سے ملیں اور ان کو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری
طرف سے بعد سلام میرے کلیات کے پارسل کا ان کے پاس اور ان کے
ذریعۂ عنایت سے اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار الملک
بہادر کی نظر سے گذرنا اور جو کچھ اس کے گزرنے کے بعد واقع ہو،
دریافت کر کے مجھ کو مطلع فرمائیں۔

جمعہ ۱۰۔ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۵۔ ستمبر ۱۸۶۳ء غالب" (۴۰)

لطیفہ یہ ہوا کہ اس خط کے آخری حصّے کی ہدایات سے، جو کسی حد تک مبہم ہیں، ذکا کو یہ
غلط فہمی پیدا ہوئی کہ میرزا نے پارسل بھی ذکا ہی کے نام بھیجا ہے۔ چناں چہ ذکا نے اس کا جو جواب
لکھا وہ دستیاب تو نہیں ہوتا لیکن میرزا کے ایک اور مکتوب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ذکا نے
پارسل کے اپنے پاس نہ پہنچنے کی اطلاع دی۔ اس پر میرزا کچھ جھنجلا گئے اور طنز ملیح سے کام لیتے
ہوئے ۱۹ر اکتوبر ۱۸۶۳ء کو ذکا کو حسب ذیل وضاحتی خط لکھا۔

"بندہ پرور،

آج تمہارا عنایت نامہ آیا اور آج ہی میں نے اس کا جواب
ڈاک میں اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں

بارھویں دن خط اور پہنچے بیس دن میں پارسل پہنچے گا۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں۔ لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیئے گا۔ آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا، لیکن مدعا مجھ پہ نہ کھلا۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا اور کب آپ کو لکھا، آپ یہ پارسل موئیدالدین خاں کو دے دیجئے گا؟ پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولوی موئیدالدین خاں صاحب سے ملیئے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے انہیں دکھایئے اور ان سے پارسل کا حال دریافت فرمایئے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصوّر کروں کہ اردو عبارت سے استنباط مطالب اچھی طرح نہ کرسکے۔ بہرحال اب مدعا سمجھ لیجئے اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمایئے اور پارسل کا حال معلوم کرکے لکھیئے۔

۵۔ جمادی الاول ۱۲۸۰ھ و نوزدہم اکتوبر ۱۸۶۳ء

نہ ذرِ ورودِ نامہ نامی داد کا طالب، غالب" (۴۱)

اس خط میں میرزا نے یہ لکھا ہے کہ اس زمانے میں خط دہلی سے دسویں بارہویں دن اور پارسل بیس دن میں پہنچتا تھا۔ اگرچہ ۱۹ اکتوبر کے بعد ہمیں میرزا کا جو دوسرا خط ملتا ہے وہ ۱۴ نومبر کا لکھا ہوا ہے، جو کم و بیش ایک مہینے کے فصل سے ہے۔ لیکن اس خط میں پارسل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ گویا پارسل پہنچ چکا تھا اور میرزا کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی۔ لہٰذا پھر اس کا ذکر نہیں چھڑا گیا۔

۱۴ نومبر ۱۸۶۳ء والا خط جس میں میرزا نے کسی اردو غزل پر اصلاح دی ہے؛

یہ ہے۔

"صاحب

پہلے مطلع میں لطف نہیں، ہاں مضمون لطیف ہے۔ وہ فرد میں خوب آگیا ہے۔ مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا "ورنہ" کا قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بندھ گیا ہے۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا۔ جو شعر بے تصرف مدنظور رہا اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔

ساقی ابھی چھبنی (۴۲) الخ

چھبنی لفظ غریب ہے، نہ اہل دہلی کے زبان زد نہ گوش زد۔ غربال کو چھلنی کہتے ہیں۔ جس کی فارسی پرویزن ہے۔ اور جس کپڑے میں سائلات کو چھانیں، فارسی اس کی "لاے پالا" اور اردو "صافی" ہے بہ یائے معروف۔ "برابر نہ ہوا تھا" یہ قافیہ دو طرح سے درست ہوا ہے جس طرح چاہو رہنے دو۔

ع مرنے کا مرے وقت مقرر نہ ہوا تھا

تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے، مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے۔ مقطع میری پسند نہیں ہے، میرے سر کی قسم اس کو نہ رکھو، اور مقطع لکھ لو۔[۱۲]

شنبہ ۱۴- نومبر ۱۸۶۳ء غالب" (۴۳)

ذکا اپنا اردو کلام ابتدا میں حیدر آبادی شاعر شمس الدین فیض کو دکھایا کرتے تھے، بعد میں انہوں نے میرزا غالب کو بھی دکھایا ہے، جس کی ایک شہادت اس خط سے ملتی ہے۔ لیکن جہاں تک ہمارا خیال ہے، ذکا کی اردو شاعری کو میرزا نے پسند نہیں کیا اور بعد میں ذکا نے اپنا سابق مجموعہ کلام جو اصلاح کے لیے بھیجا، وہ فارسی کلام ہی تھا، جو "خاش وخماش" میں شامل ہے۔ پیش نظر مکتوب میں میرزا نے جس غزل پر اصلاح دی ہے۔ وہ میرزا کی اس غزل کی زمین میں کہی ہوئی ہے جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ع

"خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا"

ذیل میں ذکا کی پوری غزل درج کی جاتی ہے اور اس کے جن اشعار کے بارے میں میرزا نے جہاں جہاں جو کچھ تبصرے کئے ہیں وہ ان کے مقابل درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ غافل کبھی مجھ سے وہ ستمگر نہ ہوا تھا
یعنی مجھے اندیشۂ محشر نہ ہوا تھا

میرزا: پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے وہ فرد میں خوب آگیا ہے۔

۲۔ لائے تجھے یاں تک مجھے باور نہ ہوا تھا
عاشق تری دلالہ پہ میں ورنہ ہوا تھا

میرزا: مطلع ثانی بہ سبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا ہے۔ ورنہ کا قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بندھ گیا ہے۔

۳۔ سجدوں کے تواتر میں گھسا سنگ درِ یار
ایسا کوئی الزام مرے سر نہ ہوا تھا

میرزا: تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا ہے۔

۴۔ اچھا کیا پچھلے سے جو رخصت کی سنادی
مرنے کا مِرے وقت مقرر نہ ہوا تھا

میرزا: تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے۔ مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے۔

۵۔ میں نے یہ کہا عاج کا دستہ ہے کلائی
پہلے وہ کبھی دستہ بہ خنجر نہ ہوا تھا

۶۔ موت آگئی اس در سے جو اٹھ چلنے کی ٹھہری
سیدھا بھی میں بستر کو اٹھاکر نہ ہوا تھا

۷۔ رکھ چھوڑا وہیں عالم بالا پہ قضا نے
طوبیٰ جو ترے قد کے برابر نہ ہوا تھا

میرزا: "برابر نہ ہوا تھا" یہ قافیہ دو طرح سے درست ہوا ہے۔ جس طرح چاہو رہنے دو۔

۸۔ ساقی ابھی چھنی کو نچوڑیں تو نکل آئے
پانی جو سکندر کو میسّر نہ ہوا تھا

میرزا: "ساقی ابھی چھنی الخ" چھنی لفظ غریب ہے نہ اہلِ دہلی کے زبان زد نہ گوش زد۔ غربال کو چھلنی کہتے ہیں، جس کی فارسی پرویزن ہے۔ اور جس کپڑے میں سائلات کو چھانیں فارسی اس کی "لاے پالا" اور اردو "صافی" ہے بہ یائے معروف۔

۹۔ پُرچیں کرو یوں نہ مجھے دیکھ کے تیور
ایسا تو شبِ وصل میں بستر نہ ہوا تھا

۱۰۔ خوں ریزیوں نے قتل کے میداں پہ دیا آج
اس کوچہ کا دھوکہ جو چمن پر نہ ہوا تھا

۱۱۔ نشتر لئے احباب بھی پہنچے مرے سر پر
طفلوں ہی کے میں سنگ سے سر بر نہ ہوا تھا

۱۲۔ محفل میں تری یاد نے آنکھوں سے نکالا
جو بادہ ابھی حلق کے اندر نہ ہوا تھا

۱۳۔ قائل ہوں میں غالبؔ کے ذکاؔ طرزِ سخن کا
ایسا کوئی دلّی میں سخن ور نہ ہوا تھا (۴۴)

میرزا: مقطع میری پسند نہیں ہے۔ میرے سر کی قسم اس کو نہ رکھو۔ اور مقطع لکھ لو۔ جو شعر بے تصرف بدستور رہا اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔

(۱۱)

اس خط کے تقریباً بیس دن بعد میرزا نے ذکاؔ کو ایک اور خط لکھا، جس میں ذکاؔ کے کسی خط کا

جواب تو نہیں ہے۔ البتہ موئید الدین صاحب کے خط کے موصول ہونے کی اطلاع ہے۔ مولوی صاحب نے غالب کو جو خط لکھا تھا وہ غالب نے ذکا کے نام اپنے اس مکتوب کی ابتدا ہی میں نقل کر دیا ہے۔ غالب نے کلیات کا پارسل بھیج کر یہ چاہا تھا کہ وہ مختار الملک کو گزرانا جائے اور اس کے بعد مولوی موئید الدین خاں کو گذشتہ دو عرضداشتوں کے ماسوا ایک اور عرضداشت کا مسودہ بھیج دیا۔ مولوی صاحب نے عرضداشت نواب مختار الملک کو دکھلائی اور غالباً کلیات کا مطبوعہ قصیدہ دکھلانا مناسب نہیں سمجھا۔ کیوں کہ ایسا کرنا مراسم دفتر اور اس کے آداب کے خلاف ہوتا۔

جب کہ مختار الملک نظم و نسق اور دفتر کے آداب و مراسم کے معاملہ میں نہایت سخت رویّہ کے حامل تھے۔ کوئی باہر کا شخص شاید ایسا کر سکتا تو کر سکتا لیکن مولوی موئید الدین خاں جو وہاں کے ملازم تھے ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا اور میرزا کو اصرار اس پر تھا کہ عرضداشت کے ساتھ کلیات کا مطبوعہ قصیدہ مختار الملک کو دکھا دیا جائے، جو ہمارے خیال کے مطابق ممکن نہیں تھا۔

اب اس معاملہ میں میرزا کا خط ملاحظہ کیجیے، جو شنبہ ۲۸ نومبر ۱۸۶۳ء کا ہے۔

"صبح شنبہ ۱۶ جمادی الثانی سالِ غفر ۱۲

بندہ پرور! پرسوں مولوی صاحب کا خط آیا ماکتب فیہ بہ سبیل نقل بہہ (ہے): "آج مسودہ عرضداشت کا جو آپ نے مجھ کو بھیجا تھا، پیش گاہ آقائی نامدار گزارنا، اور اپنے نام کے خط کا بھی پیش کرنا مناسب جانا۔ بعد ملاحظہ کے یوں ارشاد ہوا کہ قصیدہ اور عرضداشت کی تفتیش اور تلاش کی جائے، جو دار الانشاء میں ملے تو جواب لکھا جاوے۔ یقین ہے کہ بعد گرد آوری کاغذات کے اگر عرضداشت مل گئی یا قصیدہ نکل گیا تو جواب ملے گا۔"

اب میں بقول صائب

درماندۂ کارِ خودم حیرانِ اطوارِ خودم　　　ہر لحظہ دارد بستی چوں قرعۂ رمّال ہا

یوں سمجھا ہوا تھا کہ تو لفافے جو علی التواتر یکے بعد دیگرے ارسال ہوئے ہیں، متواتر دارالانشاء میں پہنچے ہوں گے اور میر منشی نے حضور میں گزرانے ہوں گے۔ اب ثابت ہوا کہ اگر دفتر پہنچے بھی تو مرجع کی نظر سے نہیں گزرے۔ بلکہ ابعید نہیں جو منشی نے چاک کر کے پھینک دیئے ہوں۔ مانا کہ یوں ہی ہوا۔ بشرطِ التفاتِ مولانا میرا مطلب اس صورت بھی فوت نہیں ہوتا یعنی مولوی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ یہ جو نذر اس کی میری معرفت گزری ہے اس کے قبول ہونے کی عزّا طلاع میں دہی کچھ لکھا جائے جو قصیدہ و عرضداشت کے گزراننے کے بعد لکھا جاتا۔ مولوی موئید الدین صاحب جو حضرت کے مقرب اور اوس حضرت میں میرے مقرب ہیں، یہ کلمہ موجز کہہ سکتے ہیں۔ مگر میں ان سے نہیں کہہ سکتا کہ آپ یوں کہیئے۔ خیر جو ہوتا ہے ہو رہے گا۔ تم کو یہ اطلاع دے کر استطلاع کرتا ہوں کہ آیا وہ دونوں کاغذ دفتر سے نکل کر پیش ہوئے یا نہیں۔[12]

آگے اس سے جس دن دیوان کا پارسل اور خط مولانا کو بھیجا ہے اس کے دوسرے دن ایک پارسل اور ایک خط آپ کو میں نے بھیجا ہے۔ آج تک اس پارسل کی رسید میں نے نہیں پائی۔ سخت مشوّش ہوں۔ اگر وہ پارسل پہنچ گیا ہے تو اس کی رسید لکھیئے اور اگر نہیں پہنچا تو وہاں کے ڈاک گھر میں دریافت کیجئے اور میرے اس خط کا جواب جلد لکھیئے۔

نجات کا طالب۔ غالب[12]

ہاں خوب یاد آیا وہ قصیدہ بھی اس کلیات میں مطبوع ہو گیا ہے صفحہ ۳۴۶ سطر ۱۲۔ دفتر سے قصیدے کا کاغذ نہ نکلنے کی صورت میں بھی قصیدہ ممدوح کی نظر سے گذر سکتا ہے۔

"والسلام مع الاکرام" (۴۵)

قصیدے کی کارروائی کے سلسلہ میں ذکا کے نام میرزا کا یہ آخری خط ہے۔ اس کے بعد

مولوی مویدالدین خاں سے اگر مزید کوئی خط و کتابت ہوئی ہو تو ہوئی ہو۔

خیال رہے کہ اپریل ۱۸۶۲ء کے خط میں ذکا نے میرزا سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اپنا مجموعۂ کلام سابق بہ غرض اصلاح بھیجنا چاہتے ہیں۔ اس پر ۳ جولائی ۱۸۶۳ء کو میرزا غالب نے لکھا کہ وہ بہ کمال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دیں گے۔ استجازت کیا ضروری ہے۔ لیکن ستمبر ۱۸۶۴ء تک ذکا نے اپنی دو ایک فارسی اور اتنی ہی اردو غزلوں کے سوا میرزا کو بہ غرض اصلاح کچھ نہیں بھیجا۔ غالباً اس عرصہ میں وہ اپنے کلام سابق کو یکجا اور مرتب کرنے میں مصروف رہے۔ تاہم ذکا نے ۸ ستمبر ۱۸۶۴ء کو اپنی نظم و نثر کا جو نسخہ غالب کے یہاں بھیجا تھا، اس کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یقیناً اس کی تیاری میں وقت لگا ہوگا۔ یہ نسخہ فل سکیپ سائز کا ہے۔ اس کا کاغذ ولایتی اور آسمانی رنگ کا ہے، جس پر (WATER-LINE) خط آبی سے C. MILLINGTON LONDON 1862 لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکا نے میرزا سے اجازت پاتے ہی بازار کا سب سے نیا اور اچھا کاغذ خریدا اور اس پر بخط شفیعہ اپنا کلام اور اپنی نثر خود نقل کرنا شروع کی۔ کلام ذکا یا "خاش و خماش" کے اس نسخہ پر بحث اس موقع پر غیر ضروری ہے۔ تاہم اس نسخہ کا اس حد تک ضرور جائزہ لیا جائے گا، جہاں تک اس سے غالب اور ذکا کے تعلقات کے مطالعہ میں سہولت ہوتی ہے۔ آگے بحث میں یہ نسخہ (خاش و خماش نسخہ جامعہ نظامیہ) کے طور پر محول کیا جائے گا۔ اس نسخہ پر میرزا غالب نے جا بجا اصلاحیں دی ہیں اور اشعار پر اپنی رائے کا اظہار علامتوں سے کیا ہے، یعنی جو شعر پسند آیا ہے اس پر "ص" بنا دیا ہے اور جس کو انہوں نے نظری کرنا چاہا اس پر "لطر" علامت بنا دی ہے۔ بعض اشعار کے مصرعوں کے درمیان "لا" لکھ کر

انہیں منسوخ کیا اور بعض اشعار کو قلم زد کر ڈالا جہاں جہاں اصلاح دی ہے وہاں پہلے عبارت کو چاقو سے کھرچ دیا ہے اور پھر عبارت اصلاح سیاہی سے درج کر دی ہے۔ لیکن ہر جگہ ایسا عمل نہیں ہوا ہے۔

" خاش وخماش "کے مطبوعہ نسخہ میں نثر کے (۱۱۵) مضامین اور نظم میں پندرہ قصائد، پچاس غزلیات، چھبیس رباعیات و قطعات کے علاوہ ایک مثنوی، ایک ترجیع بند اور ایک مخمس شامل ہیں جبکہ نسخۂ نظامیہ میں نثر کے ۳۲ مضامین، اس کے علاوہ ۱۳ قصاید، ۳ قطعات، ۴۰ غزلیات، ایک مخمس، ۱۱ رباعیات کے علاوہ مزید پانچ غزلیات ضمیمتہً شامل ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نسخۂ نظامیہ میں صرف وہ چیزیں شامل ہیں جو ۸ ستمبر ۱۸۶۴ء سے پہلے لکھی گئی تھیں البتہ اس کے سادہ اوراق میں بعد کو کچھ اضافے کئے گئے ہیں جن کو اس مضمون میں سہولت کی خاطر ضمیمہ کہا گیا ہے۔ اس کے حصّہ نظم کی فہرس یہ ہے:

(۱۳)

مشتملات خاش وخماش (حصّۂ نظم)

نسخۂ ذکا، مہری میرزا اسد اللہ خاں غالب مخزونہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن

قصاید

نشان سلسلہ	مصرعہ	تعداد اشعار	صفحہ
۱۔	تا رسد در کام آنہم استخوان کرد آسمان	(۵)	صا
۲۔	در مدح خداوند نعمت کہ کرد غصّہ و غم را چو سوم عید حرام	(۴۵)	ص۴

قطعات

غزلیات

۱۴- مرگ امروزم اماں گرمی دہر فردا کنم — ص۷۲

۱۵- بزن اے محتسب خود بر سرِ من — (۱۳) ص۷۴

۱۶- امیدِ وصل نگزارد کہ میرم سخت جانی ہم — (۷) ص۷۶

۱۷- دو داغ عشق تو یک در دِلت و یک در چشم — (۵) ص۷۶

۱۸- یعنے اے خاطر پریشانی ہنوز — (۸) ص۷۷

۱۹- با سروکارِ دِلم بادگرے بایستے — (۱۵) ص۷۷

۲۰- "زِ من بندے غم و از خویشتن بندکمر بکشا — (۹) ص۷۹

۲۱- ہمے تنپد بہر گوشہ نیم جانے چند — (۱۵) ص۸۰

۲۲- رخسارِ تو زیں ہر دو جدا رنگ برآورد — (۹) ص۸۱

۲۳- تا شمع برفروخت مکاں سوختن گرفت — (۱۰) ص۸۲

۲۴- گوئی کہ من بہ قصدِ فتادن فتادہ ام — (۹) ص۸۳

۲۵- چو ابر آئینہ رحمت شمارم روسیاہے را — (۴) ص۸۴

۲۶- ہمچو اسپند بود نالہ بپرِ پروازم — (۲) ص۸۴

۲۷- ہمیں دلتنگیم پیدا ازاں کنجِ دہن باشد — (۳) ص۸۴

۲۸- افروختہ است داغِ غلامی بلال را — (۳) ص۸۵

۲۹- کہ میلے می کشد آہِ رسا در چشم کوکب ہا — (۴) ص۸۵

۳۰- تُرا گوشے براں بودے چہ بودے — (۴) ص۸۵

۳۱- زِ شادی مردہ بودم گفت با اغیار می آید — (۳) ص۸۶

۳۲- یارب از چشم بد خلق تو داری نگہش — (۳) ص۸۶

۳۳- می کند توبہ و پیمانہ زِ نہ تم توبہ — (۲) ص۸۶

۳۴- لالہ اِمسال ار نردید گو مروے — (۳) ص۸۷

۳۵- یعنے کہ رسمِ عشق زِ عالم برافگنم — (۳) ص۸۷

۳۶- دلِ نالاں کہ بنا قوسِ کلیسا مانند — (۳) ص۸۷

مخمس

رباعیات

غزلیات

۲۔ مغاں بجام فشارند لائے پالا را (۱۱) ص۹۸

۳۔ طعنہ بر زندگی خضر و مسیحا . . . (۱۰) ص۹۹

۴۔ کہ خود وفای موا عید لطف و احسانست (۱۲) ص۱۰۰

۵۔ مشہور تر زِ تابش خورشیدِ خاور است (۲۶) ص۱۰۲

(۱۴)

سب سے پہلے وہ اشعار ملاحظہ ہوں جن پر بغیر کسی اصلاح یا تبصرہ کے صرف "صاد" بنا دیا ہے۔

۱۔ اشعارِ قصاید

ص۱ س۳ غالباً بودش نظر بر رنج روز افزون من
گر نصیب من حیات جاوداں کرد آسماں

ص۲ س۱ رنج بیماری بخود گفتم کہ نتوانم کشید
بہرمن تجویز مرگ ناگہاں کرد آسماں

ص۳ س۹ تیر عزمش آشنا بازہ نگردیدہ ہنوز
نسرِ طائر رابطِ بحر کماں کرد آسماں

ص۵ س۸ گزشت آنکہ بہ تقلیل خواب و خورسی روز
ہمہ لطافت ارواح داشتند اجسام

اس شعر کے دونوں مصرعوں کے درمیاں "ق" غالباً میرزا نے لکھ کر اسے قطعہ بند کیا ہے۔

ص۵ س۹ رسید اینکہ باکنار نعمت الوان
شود مجسم و محسوس پیکرِ اوہام

یہ شعر اس سے پہلے کے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہے۔

ص۶ س۵ در آمدند زپا روز نسبِ او حسّاد
چنانکہ در شبِ میلادِ مصطفیٰ اصنام

ص۶ س۷ خیالِ بذل عطا یا بہ دل ببند و بیا
کہ بہر طوفِ حریمش ہمیں بود احرام

ص۹ س۲ ساغر نشستہ چشم بر اندازۂ بنوش
مینا ستادہ گوش بر آوازۂ بیار

دوسرے مصرعہ کے لفظ "آوازۂ" پر ء بھی میرزا نے بنائی ہے۔

ص۱۲ س۱ گفتم کہ پہلوانِ نبرد آزمودہ ام
گفتا کہ خلوتست نہ میدانِ کارزار

ص۱۴ س۲ دہر از برائے عدل تو آوردہ حُلّہ
کاندر تمام شکر و سپاس است پود و تار

ص۱۴ س۴ آنجا کہ لطفِ طبع تو الفت دہد رواج
وحشت پئے گریز بر آہو شود سوار

ص۱۷ س۲ دنیا شدہ است باب تماشا بزیب و زین
مشکل کہ عمر نیز بہ رفتن کند شتاب

ص۱۸ س۶ خصمِ ترا بفال بر آید اگر الف
باشد ہمان الف کہ کند عذب را عذاب

ص۱۸ س۱۲ حکمِ سکوں زِ لطف بہر ذرّہ می دہی
اے امتثال حکم ترا لازم اضطراب

پہلے مصرعہ میں لفظ "ذرّہ" پر "تشدید" میرزا نے بنائی ہے۔

ص۱۹ س۷ او بیش معترض بہ جعل گر دہد زِ گِلی
عدلِ تو انتقام کشد نام آں گلاب

ص۲۰ س۸ سدرہ در رفعت مماسِ تست آسیبی مباد
شمعہا را از ہوائے شہپرِ روح الامین

ص۲۲ س۲،۳ او بحکم جرأت و ہمت بر آرد ہر کجا
تیغ خونریز از نیام و دستِ جود از آستین

دیدنی دارد کہ از آثارِ ایثار و قتال
بزم گردد گوہریں و رزم گردد لُستدین

میرزا نے ان دونوں اشعار کے دائیں جانب ایک " ص " اس طرح کھینچ دیا ہے کہ وہ دونوں پر " صاد " ہوگیا ہے۔

ص۲۴ س۱،۲ شہرتے از سد روئیں یافت اسکندر بخلق
اینک آن شہرت نصیب تست از رائے زریں

رائے چیزِ دیگر است و روے چیزِ دیگر است
قرنہا باید کہ گردد بانو اسکندر قرین

ان دونوں اشعار کی دائیں جانب ایک ہی صاد ہے۔

ص۲۵ س۵ وہ چہ صبح کہ تواں گفت دمش جان بخش است
بہ صفت مردۂ و خوابیدہ اگر نیست جدائے

ص۲۵ س۶ باشد ایں نزدِ خرد بیشِ خردمند آساں
بُردن از دستِ تو مشکل صفت جود و سخائے

اس شعر کے دائیں جانب میرزا نے پہلے " لط " علامت بنائی پھر اُسے میٹ کر " ص " بنادیا ہے۔

ص۳۳ س۹ چاہے کہ کندہ بود شغاد آرزو کند
رستم بہ حفظِ جان خود و پاسِ آبرو

ص۳۴ س۱۲ مزن کج ادایانہ چینے بہ ابرو
بنہ بر کمر دلربا یانہ داماں

ص۳۷ س۱۲ چہ نسبت بذاتِ تو نوشیرواں را
که در عہدِ او بود زنجیر نالاں

ص۴۴ س۳ غضبِ او شود چو صاعقه بار
می تواں کرد برقہا خرمن

ص۴۷ س۱۱ رفت آں زماں کہ خضر علیہ السلام ہم
از قحطِ امن بدرقہ جستی بہ طے راہ

ص۴۹ س۳ حسنِ فکرم بہ بین و بندشِ چست
یوسفے بودہ است زندانی

ص۵۰ س۶/۵ حکم او باتگاہ می گوید کہ تو البتہ گرم جولانی
برگزینم ترا بہ ہمسفرے گرنہ درنیمہ رہ فرومانی

دونوں اشعار پر ایک ہی "صاد" کھینچ دیا گیا ہے۔ "خاش و خماش" کے مطبوعہ نسخہ میں پہلے شعر کا مصرعہ یوں ہے۔ "کہ تو البتہ تیز جولانی۔"

ب ۔ اشعارِ قطعات

ص۵۵ س۱ گرچہ ناں بر شیشہ مالیدن بود انداز بخل
تو ہمی ترسی کہ آخر شیشہ ہم دارد دہاں

ج ۔ اشعارِ غزلیات

ص۶۱ س۸ خدا نکردہ خدا گر شوی چہ خواہی کرد
تو آں بتے کہ ز قہرت حذر تواں کردن

ص۶۴ س۳ دل بُرد کہ بُرد دلستاں بُرد
دل بود ازاں او ازاں بُرد

ص۶۵ س۵ دستِ تو زہر کہ خواست جان برد
از دستِ تو جاں نمی تواں برد

ص۶۶ س۲،۳ با خبر باش ذکا ایں مرضِ باریک است
الفتِ موئے میانے کہ تو پیدا کردی

ص۶۶ س۹ گویند با جمیل ترا ہم محبتے است
یارب مراز ہیچو توی ایں گماں نبود

ص۷۲ س۴ زیں بعد مرا زلف تو ہم موئے دماغست
در شامِ غم آزردہ ام از دستِ سیاہی

یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

ص۷۵ س۵ بجائے خطبہ ساقی نامہ خوانیم
عروج لثناء باشد نمبرِ من

یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ دوسرے مصرعہ کی کتابت صاف نہیں ہے۔

ص۷۷ س۸ زدورم خانہ اتش بنماے د برگرد
اگر اے خضر گردی رہبرِ من

ص۷۹ س۸ مبادا سادہ ام داند گرت نامہرباں بنید
مخواں لیکن توردِ نامہ پیش نامہ بر بکشا

یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

ص۸۰ س۸ بیا شکستنِ رنگم ببیں کہ پنداری
خریدہ ام بسلم حاصلِ خزانے چند

یہ شعر بھی مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

ص۸۱ س۹ تا بند کشایم سرانگشت حنائی است
از عکسِ ست بسکہ قبا رنگ بر آورد

صـ۸۱ سـ۱۲ گوئی دہنم لب زرگ برگ حنا داشت
تا بوسہ زدم آن کف پا رنگ بر آورد†

صـ۸۵ سـ۱ رگِ جانے کہ در بخش من آمد
گر آں موے میاں بودے چہ بودے

د ۔ رباعی

صـ۹۲ سـ۲ رنداں بکشید ساغرِ صہبارا
در دل مدہید رہ غم فردارا
گوئید بہانہ جو بود لطف کریم
شاید بخشد بحرمتِ مئے را

ھ ۔ اشعارِ غزلیات

صـ۱۰۰ سـ۱ گر دلت ہست تو ہم اے مہ کنعاں می لرز
زاں تحاشی کہ در آغوشِ زلیخا زدۂ

صـ۱۰۱ سـ۴ می تواں گفت ترا خونِ دفا تا کمر است
دامن سعیِ ہلا کم بہ کمر تا زدۂ

ایسے اشعار کی جملہ تعداد (۴۸) ہے۔

† دیکھئے صـ۳۴ کتاب ہذا۔

(۱۵)

ان کے علاوہ ایسے اشعار جن کے بارے میں کوئی رائے ظاہر کیئے بغیر مرزا غالب نے یا تو ان پر نظری کی علامت (نظ) بنا دی ہے یا ان پر "لا" لکھ دیا ہے یا پھر انہیں قلمزد کر دیا ہے۔

ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

"لطم" کی علامت میرزا نے کبھی شعر کے شروع میں بنائی ہے، کبھی دونوں مصرعوں کے درمیان کبھی شعر کے ختم پر اور کبھی کسی لفظ پر۔ مختلف مقامات پر اس طرح کے عمل کے مشاہدے کے بعد ہمارا یہ خیال ہے کہ جب انہیں شعر میں صرف کوئی لفظ یا ترکیب ناپسند ہوتی تو صرف اس لفظ یا ترکیب پر یہ علامت بنا دیتے۔ اسی طرح جو مصرعہ ناپسند ہوتا اس مصرعہ کے آخر میں یہ علامت بنا دیتے لیکن جب کوئی شعر ہی سرے سے ناپسند ہوتا، اس کے شروع ہی میں یہ علامت بنا دیتے۔ لہذا یہاں ان اشعار کو اس صراحت کے ساتھ نقل کیا جارہا ہے کہ میرزا نے ان پر "لطم" کی علامت کہاں بنائی ہے۔ ذکا نے اس پر کیا عمل کیا اور "خاش و خماش" کے چھاپنے والوں نے ان اشارات کو کہاں تک ملحوظ رکھا۔

الف۔ اشعارِ قصاید

ص۷ س۹ بود خط کف دست تو مد منضالک
که کرده اندپے خصر خرچہا ارقام

اس شعر میں "منضالک" پر "لطم" کی علامت بنا دی ہے۔

ص۱۷ س۴ آں داورے کہ ملک دکن شُد فضائے باغ
مختاریش چہ داد سرو برگِ انتساب

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ "داد" پر میرزا نے "لطم" کی علامت بنادی ہے لیکن نہ تو مخطوطہ میں کوئی لفظ بدلا گیا ہے نہ ہی مطبوعہ نسخہ میں کوئی تبدیلی ہے۔

ص۱۸ س۷ از بس حسود جاه تو ہستند مرده دل
باشد صدائے خندۂ شاں نوحۂ مصاب

یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ میرزا نے پہلے اس میں کچھ اصلاح دی اور پہلے مصرعہ میں "از بس" کی جگہ "لا" "نیز" "ہستند" کی جگہ "بوده است" اور دوسرے مصرعہ میں "شاں" کی جگہ "او" بنایا لیکن بعد میں پورے شعر پر اس سرے سے اُس سرے تک خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔

ص۲۱ س۲ سقفت واژونِ تو ہر کو دید می گوید بخویش

بخت واژون بہ اگر واژونی افتد ایں چنین

میرزا نے اس شعر کے دونوں مصرعوں کے درمیان "لطم" علامت بنا دی ہے لیکن نہ تو اس پر میرزا نے کوئی اصلاح دی ہے نہ ہی ذکا نے بعد میں کوئی ترمیم کی ہے۔ یہ شعر "خاش و خماش" میں بھی ایسا ہی چھپا ہے۔

ص۲۲ س۴ گرچہ تیغ و خامہ از جنسِ جماد است و نبات

لیک دستِ حفظ تو تاہر دو را آمد معین

میرزا نے اس شعر میں الفاظ "تیغ" اور "جماد" پر "لطم" علامت بنائی ہے لیکن مطبوعہ "خاش و خماش" میں یہ شعر بغیر کسی تغیر کے شامل ہے۔

ص۲۴ س۱ ہار گل دست کہ در گردنِ ابہامی داشت

بمرادِ دلِ عشاق بیفتاد جدائی

میرزا نے اس شعر کے شروع میں "لطم" علامت بنا دی ہے۔ ذکا نے بعد میں پہلے مصرعہ کو قلمزد کر کے یوں بنا دیا ہے ع

"بود در گردنِ خوبان کہ گرہوارۂ گل"

یہ مصرعہ "خاش و خماش" میں اسی تبدیلی کے ساتھ شایع ہوا ہے۔

ص۲۸ س۷ شیشہ را حرزِ اماں حفظِ تو ہرجا کہ دہد

سنگ خارہ نہد لینت موج خار اے

میرزا نے اس شعر کے شروع میں "لطم" علامت بنا دی ہے۔ مخطوطہ میں دوسرے مصرعہ کا لفظ "سنگ" اس طرح لکھا گیا ہے کہ "برگ" پڑھا جاتا ہے۔ "خاش و خماش" میں بھی یہ شعر اسی طرح شائع ہوا ہے۔

ص۳۲ س۱۱ ادر اخلیفہ کرد مسیح و نزا خدائے

در بحث علم بر نشود با تو پیدرو

میرزا نے اس شعر کے آخر میں "لطم" علامت بنا دی ہے۔ ذکا نے لکیر کھینچ کر قلمزد

کردیا ہے۔ یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

ص۳۳ س۶ نعلِ نگاوران گراں سُم سبک خرام

داماں کوہ و دشت تمامی کند اتو

میرزا نے پہلے مصرعہ کے لفظ "خرام" کے اوپر "لط" علامت بنا دی ہے۔ یہ شعر جوں کا توں "خاش و خماش" میں چھپ چکا ہے۔

ص۳۴ س۱ تاج کیان نگین سلیمان بہم رسد

گر صحن بارگاہِ تو سازند رُفت و رو

میرزا نے پہلے مصرعہ میں "نگین سلیمان" پر "لط" علامت بنا دی ہے۔ یہ شعر "خاش و خماش" میں یوں ہی شائع ہوا ہے۔

ص۳۵ س۴ شرابے کہ از بس بساطت لطافت

بود صافی آب و روے نمایاں

یہ شعر مطبوعہ "خاش و خماش" میں شامل نہیں ہے۔ میرزا نے پہلے "شرابے" اور "لطافت" کے الفاظ مصرعہ اولیٰ سے قلمزد کر کے "شرابِ لطیفے" بنایا۔ شاید پھر بھی شعر اچھا نہیں معلوم ہوا تو پورے شعر پر خطِ تنسیخ کھینچ کر حاشیہ پر بائیں جانب "لا" لکھ دیا۔

ص۳۷ س۱ دکن یافت از حکمتت آبِ دیگر

شد از شامنش عُرفہٗ آب یوناں

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ "شامنش" پر میرزا نے "لط" علامت بنا دی ہے۔ لیکن یہ شعر کسی تغیر کے بغیر "خاش و خماش" میں چھپا ہے۔

ص۴۰ س۹ بر کشد شو کتش اگر ایواں

طاق کسریٰ رواق ایوان است

میرزا نے پہلے مصرعہ میں لفظ "بر کشد" پر "لط" علامت بنا دی ہے۔ یہ شعر "خاش و خماش" میں ایسا ہی چھپا ہے۔

صہ۴۵ س۸ کنگرۂ عرش خار دامن گیر

شخص قدرش اگر کشد دامن

میرزا نے دونوں مصرعوں کے درمیان "لطم" علامت بنادی ہے لیکن یہ شعر یوں ہی چھپا ہے۔

صہ۵۲ س۶ بادۂ کہنہ بر آید از خم

ہمچو خورشید درخشاں زوبال

میرزا نے اس شعر کے آخری لفظ پر "لطم" علامت بنا دی ہے لیکن یہ یوں ہی چھپا ہے۔

صہ۵۳ س۵ آنکہ با لطفش ہمدم آمال

آنکہ با عنفش توام آجال

میرزا نے اس شعر کے آخر میں "لطم" علامت بنادی ہے لیکن یہ شعر اسی طرح چھپا ہے۔

ب۔ اشعار قطعات

صہ۵۵ تا صہ۵۸ ذکا ظریف الطبع تھے اور ہجو گوئی سے انہیں نہ صرف دل چسپی تھی بلکہ یہ فن ان کی عادت بن گیا تھا۔ ایک جگہ انہوں نے کمال اسمٰعیل کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"چہ شاعری کہ ہجایش نباشد چہ شیرے کہ چنگال و دنداں ندارد"

چناں چہ نعمت خاں عالی کی طرح ذکا نے بہت کچھ ہجو نگاری کی ہے۔ ذکا کی ہجو نگاری بہت کم محفوظ ہے۔ "خاش و خاش" کے مسودہ کے حصّہ نظم و نثر دونوں میں ذکا نے ہجویہ چیزیں شامل رکھی تھیں، جن میں سے بعض کو میرزا نے قلمزد کر دیا اور بعض کو برقرار رکھا۔

نسخہ نظامیہ میں ایک قطعہ بعنوان "در نکوہش طویل القامت پست فطرت" درج ہے، جس کو میرزا غالب نے شروع سے آخر تک ہر صفحہ پر چلیپا کھینچ کر قلمزد کر دیا ہے (۳۱) اشعار پر مشتمل یہ قطعہ چوں کہ مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔ لہذا یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

قطعہ در نکوہشِ طویل القامتِ پست فطرت

اے بقد طویل گشتہ علم — عوج و دجّال باشدت اب وعم
تا سزد نامِ تو بقا ننگے — اندکے قلب ساختنش آرقم
بعد از گر بجاں کشند ترا — مصلحت باشد ایں نہ جور وستم
سخنت راہر ایں کہ شیریں گفت — صبر و شکر نکرد فرق زہم
بامزاج است کاں ہمی خواہد — ممسکے را لقب نہد حاتم
مولویت بنامت ار زیبد — خود بود با مناسبت توام
قفل زریں و فرج استر نیز — مہرۂ لعل و گردن خر ہم
قدر دان آں رئیس کرناٹک — باد رحمت بہ روح او ہردم
بزمانے کہ کد خدا گر دید — با دلِ شاد و خاطر خرم
بزمے آراست مختفِ شعرا — خواست برایں جماعہ عرض کرم
بہر قسمت دوشالہا طلبید — ہمہ اندر بہانہ بیش و نہ کم
تو بشتر غمزہ چناں کردی — کہ چنیں بزم رازدی برہم
رفت آں بزم و بزم آرا نیز — ماند بہر تو انچہ می گویم
پشتے از خانہائے زنداں کم — نسبتنش کردۂ سوئے اعظم
گوئیا پردہ پیش رخ بستی — تا کند منع دیدن عالم
اندراں پردہ چند مزبلہ گر — سندہ بر سندہ خوردی و بہم

باش و بنگر کہ آخر این خوردن | چہ در نفخ آوردت بہ شکم
حقنہ کفتن سپوختن کہ ترا | کوں سرین دگر شود زِ ورم
اند کے از معاملات دسخن | کہ تو آوردیش بقید رقم
می تواں گفت ٹھیک چند آن کو | داشت کیرے نکردہ سنت ہم
قطرۂ چند ریختی در ظرف | نام آں چند قطرہ بحر عجم
گھوڑے لوگوں کے پھیرنا ترا کام | لے کے اجرت میں ایک دو قلم
تجھ کو معلوم ہو تو ہاں یہ ہو | برغہ شہگام میٹے پوی قدم
تو چہ دانی کہ چیست شعر و سخن | تو چہ دانی کہ چیست مدحت وذم
دخلہا میکنی بہ معقولات | می ندانی کہ خود شوی ملزم
ایں ہماں است کز پئے شہرت | ایلچے دید درچہ زمزم
بخدا کان زدست سرکوبی | سرکشے راگرد بسوے عام
گیرم البتہ کار گرز و عصا | تا مرا دست آشناست قلم
گر تو فرعونِ وقتی من موسیٰ | ور تو دیو سفید من رستم

اس قطعہ پر میرزا نے شروع میں اصلاح دینی چاہی لیکن بعد میں پورا قطعہ قلمزد کر دیا۔ مثلاً یہ شعر کہ ؎

تجھ کو معلوم ہو تو ہاں یہ ہو | برغہ شہگام میٹے پوے قدم

اس کے دوسرے مصرعہ میں پہلے "قلم" تھا۔ میرزا نے اسے کاٹ کر "قدم" بنایا۔

ج۔ اشعارِ غزلیات

صہ ۶۰ سہ ۹ نبست بجز قافیہ بندی ذکا

مطلب از بندش مارا مرا

اس مقطع پر میرزا نے "لطم" علامت بنادی تھی۔ ذکا نے اس غزل کے مطلع اور

دو۲ اشعار کے سوا باقی چھے۶ اشعار اور یہ مقطع قلمزد کر دیا۔

سرِ من خنجر بُرّانِ کسے

خون من گوشہ داماں کسے

اس شعر کے شروع میں میرزا نے " لطم " علامت بنا دی۔ مطبوعہ نسخہ میں یہ شعر شامل نہیں ہے۔

صـ۶۸ سـ۶ صیاد کہ دست از چومنی زار بر داشت

در کنج قفس بال و پرے داشتہ باشد

میرزا نے پہلے مصرعہ کے آخری لفظ پر" لطم " علامت بنا دی تھی، دوسرے مصرعہ میں کنج کو اضافت دی ہے۔ یہ شعر " خاش و خماش " کے مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

صـ۶۹ سـ۴ از دست غیر ذبح شوم سر نہ بر زنم

لیکن بشرط آنکہ تو بینی تپیدنم

پہلے مصرعہ کے آخر میں " لطم " علامت بنا دی ہے۔ بعد میں ذکا نے یہ شعر قلمزد کر دیا ہے۔ یہ شعر بھی مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

من نہ آنم ترک رندی دعوی تقوی کنم

ساقی و مطرب اگر فتوی دہند اینہا کنم

میرزا نے پہلے مصرعہ کے آخر پر" لطم " علامت بنا دی ہے۔ ذکا نے اسے بری طرح قلمزد کر دیا ہے۔ یہ شعر بھی مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

صـ۷۵ سـ۳ تو بیدردی چہ دانی قدر ایں اشک

بہ چشم دید باید گوہر من

دوسرے مصرعہ میں " دید " کی جگہ پہلے " دیدہ " تھا، میرزا نے " ہ " میٹ دی اور اس پر " لطم " علامت بنا دی۔

صـ۷۵ سـ۷ فغاں فریاد از درد جدائی

کہ عالم گیر شد شور و شرِ من

میرزا نے دونوں مصرعوں کو قلمزد کر کے ان کے درمیان "لا" لکھ دیا ہے۔

ص۷۹ س۱ بترس از خردہ گیراں گرز من نبود محابایے

زبانِ خلق بر بند د بروے غیر در بکشا

پہلے مصرعہ میں پہلے "خوردہ" "و" کے ساتھ لکھا تھا، میرزا نے اسے قلمزد کر کے "خردہ" بنایا اور اس پر "لطہ" علامت بھی بنا دی۔ یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔

ص۸۰ س۹ ز آہ سرد منے باغباں زدہ است آتش

برائے کسب حرارت در آشیانے چند

میرزا نے دونوں مصرعے قلمزد کر کے درمیان میں "لا" لکھ دیا ہے۔ ذکا نے بعد میں پہلے مصرعہ میں "ز آہِ سرد منے" کو "ز سردیٔ نفسے" سے بدل دیا لیکن یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔

ص۸۴ س۶ آیۂ حرمت صہباست مگر آں خطِ سبز

تا دمیدہ است من از بوسۂ لعلش باز م

اس شعر کے شروع میں میرزا نے "لطہ" علامت بنا دی، ذکا نے اسے قلمزد کر دیا۔ یہ شعر نسخۂ مطبوعہ میں نہیں ہے۔

ص۸۴ س۸ بسوے مرگ از دامِ غمش می جویم آزادی

کہ دائم آستینِ شمع داغ دل کفن باشد

دوسرے مصرعہ کی ابتدا میں میرزا نے "لطہ" علامت بنا دی ہے۔ یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

ص۸۴ س۹ بہ ہجرش حشر برپا کردہ شوم حسرت آلودم

نخواہم خواب شیرینے بہ چشم کوہکن باشد

اس شعر کے شروع میں میرزا نے "لطہ" علامت بنا دی ہے۔ ذکا نے یہ شعر قلمزد کر دیا ہے۔ یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔ اس غزل کا صرف ایک شعر شائع کیا گیا ہے۔

صـ۸۶ سـ۱ دید باید کہ ندامت بدلم تا چہ کند

در میخانہ کشادند چو بستم توبہ

پہلے مصرعہ میں پہلے لفظ " دیدہ " تھا، جس کی " ہ " میٹ دی گئی۔ دونوں مصرعوں کے درمیان میرزا نے " لا " لکھ دیا یہ شعر غالباً مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔

صـ۸۸ سـ۲ رنگ عاشق نہ زلف معشوقم

بغلط آسماں شکست مرا

میرزا نے پہلے اس شعر پر " لطہ " علامت بنائی، پھر خود ہی اس علامت کو قلمزد کیا۔ یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے۔

د۔ رباعی

صـ۹۳ سـ۷ ہر تلخ د ترشش کہ آمد از کاسۂ دہر

در کاسہ مے ات کن وآسان درکش

اس شعر کے آخر میں " لطہ " علامت بنا دی ہے۔ یہ رباعی مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں ہے۔

(۱۶)

اب اس گفتگو کا سب سے اہم اور دلچسپ حصہ شروع ہوتا ہے یعنی "خاش وخماش" پر میرزا کی اصلاحات جن کی تفصیلات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) اشعارِ قصاید

صـ۱ سـ۵ آن گلستانم کہ پیش از مقدم فصل بہار

شاخ و برگم وصفِ آسیب خزاں کرد آسماں

خاش و خماش کے صفحہ ۵ پر میرزا کے قلم سے پہلے شعر پر اصلاح ،
آٹھویں اور نویں شعر پر صاد ملاحظہ ہو۔

اس شعر کا پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا۔ ع

"آں گلستانم کہ پیش از آمدِ فصلِ بہار"

میرزا نے "آمد" کو میٹ کر "مقدم" بنایا۔

ص۱ س۹ آرزوے گنج باد آورد در دل داشتم

بادرا آورد و خاکم در دہاں کرد آسماں

اس شعر کا دوسرا مصرعہ پہلے کچھ اور تھا۔ "خاکم" سے پہلے جو الفاظ تھے انہیں میٹ کر میرزا نے "بادرا آورد" لکھا۔ ذکا کی کسی قدیم بیاض میں شاید یہ مصرعہ اس اصلاح سے پہلے والی حالت میں مل جائے گا۔ تاہم جو الفاظ میٹے گئے ہیں، ان میں سے جو کچھ پڑھا جاتا ہے، وہ یوں ہے۔ ع

۔۔۔ ہوا را گفت و خاکم در دہاں الخ

ص۳ س۳ ہر کبوتر کاں فراز بام قصرش خانہ ساخت

آں کبوتر را لقب عرش آشیاں کرد آسماں

اس شعر کا پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

ہر کبوتر بر سر بام حریمش خانہ ساخت

میرزا نے اصل عبارت میٹ کر عبارت اصلاح درج کی ہے۔

ص۳ س۵ خلعت و فیل و جواہر حاسدش ہر جا کہ یافت

بوریا و نفت و آتش در زماں کرد آسماں

دوسرے مصرعہ میں "نفت" کے بجائے کوئی اور لفظ تھا، جس کو میٹ کر میرزا نے "نفت" لکھا۔

ص۵ س۱ چہ غرّہ غرّہ پیشانی نگاور عمر

چہ عمر عمرِ ندیمان صحت و آرام

یہ پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا۔ ع

"چہ غرّہ غرّہ پیشانی سمندِ عمر"

میرزا نے "سمند" کو قلمزد کر کے اس پر "لطـ" علامت بنائی اور اس کے ساتھ ہی بدلا ہوا لفظ "تگاور" لکھ دیا۔ اس اصلاح کا ذکر میرزا نے ۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء والے "مکتوب بنام ذکا" میں کیا ہے۔

صـ۶ سـ۴ ستارہ کوکبہ مختار ملک والا جاہ

که داده است نظام دگر بملکِ نظام

پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا۔ ع

ستارہ کوکبہ مختار ملک ارسطو رائے

میرزا نے "ارسطورائے" کو قلمزد بھی کیا اور اس پر "لطـ" علامت بھی بنائی اور اس کے بجائے "والاجاہ" لکھ دیا۔

صـ۷ سـ۱۱ بود بدست تو سرِ رشتۂ زِحزم که آں

زمام توسنِ گردن کشی است گردون نام

پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

بود بدستِ تو سر رشتۂ زحزم آں

میرزا نے مصرعہ کے ختم پر "آں" سے پہلے "کہ" کا اضافہ کیا اور "آں" پر "لطـ" علامت بنائی۔

صـ۹ سـ۸ دزدیده زیر لعل گہربار خندہ

کاں خندہ می بر وز دلِ قدسیاں قرار

پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

دزدیدہ زیر لعل گہر خندہ

اس میں "گہر" کے بعد "بار" کا اضافہ میرزا نے کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ "گہر" کے بعد کوئی لفظ مثلاً "بار"، "ریز" وغیرہ سہواً کتابت سے رہ گیا ہے۔ میرزا نے اسے یوں پورا کیا۔

صـ۱۶ سـ۱ رفت از میاں نقاض طبایع چنانکه شیخ

کرد از حنائے دست بتاں ریش را خضاب

اس شعر کا دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

بست از حنائے دست بتاں ریش را خضاب

میرزا نے "بست" کو قلمزد کر کے "کرد" بنایا۔

صـ۱۷ سـ۱۰ گر حفظ او مصالح کار جہاں شود

بر سطح آب خانہ تواں کرد چوں حباب

دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

بر سطح آب خانہ تواں بست چوں حباب

میرزا نے "بست" کو قلمزد کر کے "کرد" لکھا اور مقام اصلاح پر "لط" علامت بنا دی۔

صـ۱۹ سـ۸ بینش ضمیر روشن تو پردہ ہائے راز

بشگافتند ہمچو کتاں ہا بماہتاب

اس شعر کا دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

بشگافتند ہمچو کتانے بہ ماہتاب

میرزا نے پہلے تو اس شعر کو قلمزد کر دیا۔ شاید اس وجہ سے کہ دوسرے مصرعہ میں "کتانے" انہیں بہت ناگوار محسوس ہو رہا تھا، لیکن بعد میں انہوں نے اس لفظ کو "کتاں ہا" بنا کر اس شعر کے شروع پر "صـ" کیا ہے۔

صـ۲۳ سـ۲ ہشت جنت گلشن لطف ترا یک طرف صحن

ہفت دریا مطبخ جود ترا یک بارگیں

اصل میں اس شعر کا دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

ہفت دریا مطبخ جود ترا دریک بارگیں

میرزا نے دوسرے مصرعہ میں "یک" کو قلمزد کر دیا۔ لیکن یہ شعر مطبوعہ نسخہ "خاش وخاش" میں "یک" کے ساتھ چھپا ہے۔ غالباً ذکا کے بیٹے مرزا کی اصلاح کو سمجھ نہیں پائے۔

صـ۲۳ سـ۷ در ہوائے محفل تست ایں کہ می روید ز خاک

نے نوا در آستین ولالہ مے در ساتگیں

دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

سروِ نے در آستین ولالہ مئے در ساتگیں

مرزا نے "سرو" کو قلمزد کرکے "نوا" کا اضافہ کیا ہے۔ نیز "نے" کے "نون" پر "زبر" بھی بنایا ہے۔

ص۲۳ س۹ مردم اندر خیل خدامت شمارش گر کنند

مردمک در دیدہ بالد چوں بہ زہداں در جبین

اس شعر میں دوسرا مصرعہ پہلے مختلف تھا۔ میرزا نے بعض الفاظ میٹ کر اصلاح دی ہے۔ اگرچہ سابقہ متن پڑھا نہیں جاتا تاہم اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے "بالد" کی جگہ "می بالد" تھا "چوں" کی جگہ کوئی اور لفظ تھا۔ اس لفظ کا حصّہ "چو" میرزا نے اپنے قلم سے بنایا ہے۔ اس کے نقطے پہلی دفعہ سیاہی سے میرزا نے لگائے ہیں گویا پہلے نہ تھے اور "ن" نقطہ کے ساتھ میرزا نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس کے بعد "بہ" بھی میرزا نے اضافہ کیا ہے۔ پھر "در" بھی میرزا نے بڑھایا ہے۔

ص۲۳ س۱۱ می تواں دیدن فرادست نورِ و زبذل وجود

دستِ قدرت انچہ در دریا وکاں دارد دفیں

اس کا پہلا مصرعہ غالباً یوں تھا ع

می تواں دیدن سرِ دست نور و زبدل وجود

مخطوطہ دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پہلے مصرعہ میں "دیدن" کی جگہ پہلے کوئی اور لفظ تھا۔ کیوں کہ اس لفظ کے اوپر کچھ تحریر چاقو سے کھرچ کر میٹی گئی ہے۔ "د" کا ابتدائی حصّہ بھی غالباً مرزا نے درست کیا ہے۔ البتہ "سرِ دست" صاف پڑھا جاتا ہے، جس کو کسی قدر میٹ کر "فرادست" بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے میرزا کو صرف "ف" اور "ا" بنانا پڑا ہے۔

ص۲۴ س۳ سہرِ ماں بدخواہِ جاہت باد مقرونِ ہلاک

درنوشتن یا بیک املاست چین و جیں

دوسرے مصرعہ میں پہلے "درنوشتن" کے بجائے کچھ اور تھا۔ میرزا نے ابتدائی حروف

میٹ کر " در" بنا دیا ہے۔ اس طرح " درنوشتن" بنا۔ لیکن " در" کی جگہ سابقہ عبارت اس طرح میٹی گئی ہے کہ اب اس کا شائبہ بھی باقی نہیں رہ گیا۔

ص۲۴ س۴ تا بود برجِ حمل خورشید را بیت الشّرف

باشد آباد آں مکان و شاد ماں باشد مکیں

اس شعر کا دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

باشد آباد آں مکان و شاد باشد ایں مکیں

میرزا نے اس مصرعہ میں " شاد" کے آگے " ماں" بڑھایا ہے اور " این" کو قلمزد کر دیا۔ نیز " آباداں" کے نیچے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ " الف غیر ممدودہ۔"

ص۲۶ س۲ عطر در خور بگریباں بود امروز نہ سر

گل سزادار بداماں بود امروز نہ پائے

پہلا مصرعہ یوں تھا ع

عطر لائق بگریباں بود امروز نہ سر

میرزا نے لفظ " لائق" کو دو دفعہ قلمزد کیا ہے اور اس کے اوپر " درخور" لکھ دیا ہے۔

ص۲۷ س۱ پیشِ فکرش زکشاد مژہ است آساں تر

حلّ عقدیکہ قضارا شدہ ناخن فرسائے

اس شعر کا پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

پیشِ فکرش زکشاد مژۂ آسان تر

میرزا نے مژہ کے بعد " است" کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح " ہمزہ" ساقط ہو گئی۔

ص۳۲ س۱ گوہر نمی رسد بہ صفائے طبیعتش

بالفرض اگر دہند بصد بحر شست و شو

اس شعر کا دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

بالفرض اگر دہد بصد بحر شست و شو

گویا میرزا نے " دہد" کو " دہند" بنا دیا ہے۔

صـ۳۲ سـ۲ اغراق باشد بہمہ تبلیغ پیشِ عقل

در مدعنش بکار بردگر کسے غلو

پہلے مصرعہ کا آخری لفظ "عقل" ہے۔ ممکن ہے یہاں پہلے کوئی اور لفظ ہو۔ کیوں کہ اس لفظ میں "ل" کی جگہ کسی سابقہ عبارت کو میٹ کر میرزا نے "ل" بنائی ہے۔ البتہ "عق" سابقہ ہے۔

صـ۳۲ سـ۴ رنگ سکوں زبیم خدنگش ہمی بَرد

در منزلیکہ می تنوانند پریدنو

پہلے مصرعہ کا آخری لفظ "خاش وخماش" کے مطبوعہ نسخہ میں "بُرد" ہے۔ اصل مخطوطہ میں ذکاؔ نے اس لفظ کو نقطے لگائے ہی نہیں تھے۔ مرزا نے تین نقطے لگا کر اسے "پرد" بنادیا۔

صـ۳۲ سـ۱۰ دشمن اگر بود ہمہ خونخوارہ فی المثل

ناچیزتر بہ نزد تو بودہ است از زلو

پہلا مصرعہ غالباً پہلے یوں تھا ع

دشمن اگر بود ہمہ خونخوارۂ مثل

میرزا نے مصرعہ کے آخری لفظ کو "فی المثل" بنایا ہے۔

صـ۳۸ سـ۳ مشارک بود درصفت خامہ ات را

عصائیکہ میداشت موسیٔ عمراں

پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

مشارک بود درصفت خامہ را

میرزا نے "خامہ" کے بعد "ات" کا اضافہ کیا ہے۔

صـ۳۸ سـ۹ ایں چہ مضمون غیر مبتذلی است

کہ بمن داشتند ارزانی

پہلے مصرعہ میں پہلے "چہ" کی جگہ "چوں" تھا۔ میرزا نے "چوں" کے "د" کو میٹ کر اس طرح "ہ" کا اضافہ کیا کہ "چ" تو سابقہ باقی رہی اور لفظ "چہ" بن گیا۔

ب - اشعارِ غزلیات

ص ٦٤ س ٢١ قصّہ گوئی مگو نیست ذکا

سرِ من داند و چوگان کسے

یہ شعر پہلے یوں تھا ع

قصّہ گوے مگوے است ذکا کہ سرم داند و چوگان کسے

میرزا نے پہلے مصرعہ میں "مگوے است" میں "یے اور الف" کو قلمزد کر کے "ست" سے پہلے "ی" کے لیے شوشہ "ی" بنایا ہے اور دو نقطے نیچے بنا دیئے۔ مطبوعہ نسخہ میں دوسرا مصرعہ "کہ" کے ساتھ چھپا ہے جو غلط ہے۔ دوسرے مصرعہ میں "سرم" کی "م" کو "من" بنا دیا ہے اور "سر" کو اضافت دے دی ہے۔

ص ٦٧ س ٨ باسیمبراں ہر کہ سرے داشتہ باشد

حیف است کہ در کیسہ زرے داشتہ باشد

دوسرے مصرعہ میں "حیف است" کے بعد "کہ" کا اضافہ میرزا نے کیا ہے۔ ویسے پہلے مصرعہ میں "سیمبران" کی "م" بھی درست کی ہے۔

ص ٧ س ٦ سجدہ کردی بے نشاں را این نشانِ سجدہ چیست

زاہدا در غم ازیں داغے کہ داری بر جبین

دوسرے مصرعہ میں پہلے "دارم" تھا جس کو میرزا نے "داری" بنایا ہے

ص ٧ س ١١ شربت دیدار خوباں نزد خوباں میبروم

گرچہ دائم می فروشد سر کہ آنجا ہر جبین

پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا۔ ع

شربت دیدار خوباں بزم خوباں میبروم

میرزا نے "بزم" کو "نزد" بنا دیا ہے۔ یہ مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں ہے۔ مخطوطے میں بھی

ذکا نے اس شعر کو قلمزد کر دیا ہے۔

ص۷۲ س۲ زانسانکہ خیالِ خمِ ابروے تو بستم
شمشیر نہ بستہ است چنین مرد سپاہی

پہلا مصرعہ اصلاح سے پہلے یوں تھا ع
چنداں کہ خیال الخ

میرزا نے "چنداں" کو میٹ دیا اور "زانساں" لکھ دیا۔ ذکا نے یہ شعر بعد میں قلمزد کر دیا۔

ص۷۴ س۶ گفتگوہائے ملامت گر ملولم کردہ است
کو مئے صافی کہ رفع ایں کدورت ہاکنم

دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع
کو مئے صافی کہ رفع ایں کدورت تاکنم

میرزا نے "تا" کو بدل کر "ہا" بنا دیا ہے۔

ص۷۴ س۷ ساقی و میخانہ را مانند اگر حور و قصور
ایں خوشا روزیکہ جا در جنّتُ الماواکنم

دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع
ایں خوشا روزے کہ دو در جنّتُ الماوا کنم

میرزا نے "دو" کو قلمزد کر کے "جا" بنا دیا ہے۔ یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔

ص۷۵ س۲ از سر کوے تو مارا سفرے بایستے
دل کہ بستنیم بجاے کمرے بایستے

پہلا مصرعہ پہلے یوں تھا ع
از سرِ کوئے تو ظالم سفرے بایستے

میرزا نے "ظالم" کو قلمزد کر کے اس کے اوپر "مارا" لکھ دیا ہے۔

صفحہ ۸ س ۲ ز کوے او دہمت قاصد الثنا نے چند

ہمی تپند بہر گوشہ نیم جانے چند

دوسرا مصرعہ پہلے یوں تھا ع

کہ می تپند بہر گوشہ نیم جانے چند

میرزا نے "کہ" کو میٹ دیا اور "می" کو "ہمی" بنا دیا۔

صفحہ ۸۱ س ۶ ہر یک ز گل و لالہ چہا رنگ بر آورد رخسار تو زیب ہر دو جدا رنگ بر آورد

یہ غزل اگست ۱۸۶۳ء میں غالب کے یہاں ایک مرتبہ اس سے پہلے بھی بغرض اصلاح بھیجی گئی تھی۔ پہلا مصرعہ ابتداءً یوں تھا ع

دیدیم گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

۲۶ راگست ۱۸۶۳ء کو میرزا نے پہلے مصرعہ پر یہ کہہ کر اصلاح دی تھی کہ "فقیر کے نزدیک دیدم زائد ہے۔ اگر یوں ہو تو بہتر ہے۔

ہر یک ز گل و لالہ الخ"

لیکن ذکا نے جب اپنے مجموعۂ کلام کا مبیضہ تیار کیا تو اس میں مزید ترمیم کر کے مصرعہ یوں بنا دیا۔

ہر یک ز گل و لالہ جدا رنگ بر آورد

اب جب میرزا کی نظر سے یہ شعر دوبارہ گذرا تو انہوں نے پہلے مصرعہ میں جدا کو قلمزد کر کے "چہا" بنا دیا۔ گویا

ہر یک ز گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

نیز پہلے مصرعہ کی ابتدا میں "ص" اور دوسرے مصرعہ کے آخر میں "لطف" علامت بھی بنا دی۔

اس غزل کے دوسرے اشعار پر ۲۶ راگست ۱۸۶۳ء کو جو اصلاح دی گئی تھی، وہ اسی تاریخ کے "مکتوب غالب بنام ذکا" میں موجود ہے۔

صفحہ ۸۲ س ۱ تا ۳ گناہ اہل معنی بر نتابد عذر خواہی ہا چو ابر آئینہ رحمت شمارم روسیاہی ہا

خرابی ہائے عاشق ہم بود ملک سلیمانی شکست حال بخشد منصب صاحب کلاہی ہا

مہیا چوں تو انم کرد جان تازہ ہر دم من از بیداد چشمت چشم دارم کم نگاہی ہا

بطوف کعبہ رفتم محو رخسار بتے گشتم   رسانیدم بجائے عاقبت گم کردہ راہی ہا

ان اشعار کی ردلیف پہلے "را" تھی، میرزا نے ہر جگہ "را" کو میٹ کر اس کی جگہ "ہا" بنایا اور ردلیف بدل دی۔

ان اصلاحات کے علاوہ "خاش و خماش" کے نسخہ پر نظر ڈالتے وقت میرزا نے کہیں املا درست کر دیا ہے۔ کسی حرف کی کشید برابر کی ہے، کہیں نقطے اور اعراب بنائے ہیں۔ اسی طرح اکثر جگہ لفظ "اگر" کا "الف" میٹ دیا ہے۔ ایسی ترمیمات پورے مخطوطہ میں کم و بیش تیس مقامات پر ہیں۔ یہاں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۷

جہاں تک حصۂ نثر کا تعلق ہے، اس میں بھی اصلاح اور نظر ثانی کے وہی طریقے ملحوظ رکھے ہیں جو حصۂ نظم میں اختیار کیے تھے۔ حصۂ نثر کے مشتملات کی فہرست یہ ہے۔

۵۔ بہ جناب بھائی محمد رحمت اللہ صاحب رسا
(آغاز: نامہ ملالت انگیز رسید کہ نارسیدن بران تفوق داشت) ص ۱۱۵

۶۔ بہ غلام علی ناظم
(آغاز: الٰہی آنہارا کہ زیرہ بکرمان) ص ۱۱۶

۷۔ بہ غلام محی الدین جودت
(آغاز: سالہا سر بزانو بستم) ص ۱۱۸

۸۔ بہ محمد تقی حسین رفعت
(آغاز: ع۔ دلے دارم و نامرادانہ دارم) ص ۱۱۹

۹۔ در واقعہ پدر سید امیر اللہ امیر
(آغاز: واقعہ دلخواہ یعنے پدر رو دگردن) ص ۱۲۱

۱۰۔ بہ عابد حسین شاداب در فارسی نیامیختہ بتازی
(آغاز: ہمدردان از ہمہ گرد دور) ص ۱۲۳

۱۱۔ جواب نامہ مولوی غلام امام شہید از جانب محی الدولہ بہادر
(آغاز: ع۔ اے نامہ سوی ناموری می فرستمت) ص ۱۲۴

۱۲۔ بہ جناب نواب اسد اللہ خاں غالب
(آغاز: ع۔ آنکہ در حضرت او خامہ بعرض ادب است) ص ۱۳۰

۱۳۔ بیکے از دوستان
(آغاز: باران کہ آیہ رحمت کردگار است) ص ۱۳۲

۱۴۔ تنبیہ
(آغاز: طوف حرم محترم کہ بہترین طاعت است) ص ۱۳۳

۱۵۔ بہ میر یار علی خاں صاحب
(آغاز: بجناب مجد دطرز گہنے) ص ۱۳۳

۱۶ بہ جناب محمد وجیہہ الدین خاں بہادر معنی

یہ عنوان ص ۱۶۰ کی آخری سطر پر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس مخطوطے کے جملہ ۱۸۰ صفحات ہیں، جن میں بعض معرّیٰ ہیں اور بیشتر صفحات پر کچھ نہ کچھ عبارتیں ہیں لیکن ہمارے خیال کے مطابق اس نسخہ کا وہ حصہ جو میرزا غالب کے یہاں بھیجا گیا تھا، صفحہ ۱۶۰ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کے اوراق بعد میں لکھے گئے یا شامل کئے گئے ہیں۔ لہذا یہاں ان سے بحث نہیں۔

(۱۸)

○ ذکا کی نثر کے جن فقرات پر مرزا نے صاد بنایا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے۔
ذکا نے محمد ہدایت اللہ خاں وحید کی جانب سے تنباکو کی رسید اور شکریہ کے طور پر میر مومن علی

کو ایک رقعہ لکھا۔ اس کے آخر کے حسب ذیل جملوں میرزا نے "صاد" بنایا ہے۔

"پیش حق شناساں آدم زادہ نباشم۔ تا شکر چنیں عطیہ برزبان دادہ نباشم کہ از راہ تحاش عطسہ خیزد و عطسہ خود الحمد برانگیزد۔"

(مخطوطہ ص ۱۱۰، ۱۱۱، مطبوعہ ص ۵)

○ "ماجرا" کے عنوان کے تحت ذکا نے اپنی داستان شباب بیان کی ہے۔ اس کے حسب ذیل جملوں پر میرزا نے "صاد" کیا ہے۔

"شاہدے از پیشم نمی گذشت کہ من از خویش نمی گذشتم۔"

(مخطوطہ ص ۱۱۱، مطبوعہ ص ۱۸)

○ سید امیر اللہ احمد امیر کے نام ذکا نے جو خط لکھا ہے، میرزا نے اس کے اس فقرے پر "صاد" کیا ہے۔

"اگر این معنی محتاج بنیہ و گواہ است نگارش پذیر فتن لفظِ دلخواہ بجای جانکاہ است" (مخطوطہ ص ۱۲۱، مطبوعہ ص ۳)

○ عابد حسین رضوی شاداب کے نام ذکا نے ایک خط "تازی نا آمیختہ" فارسی میں لکھا، اسی خط میں ایک شعر بھی ہے جسے میرزا نے پسند کیا ہے ؎

"فریاد خود نماند کہ فریاد رس نماند
نازم بہ بیکسی کہ نیازم بکس نماند"

(مخطوطہ ص ۱۲۳، مطبوعہ ص ۱۸)

○ اسی طرح غلام امام شہید کے نام محی الدولہ کی جانب سے مکتوب کا مسودہ جو ذکا نے بنایا، اس میں کچھ اشعار "نعت" کے بھی درج کئے ہیں۔ مرزا نے ان میں سے ایک شعر پر "صاد" بنایا ہے۔ غالباً یہ اشعار شہید کی نعت سے منقول ہیں! ؎

"فلک بحاجب درگاہ او ہمی گوید
فتم بپائے تو گر پایہ ای فرود آئی"

(مخطوطہ ص ۱۲۷، مطبوعہ ص ۵۲)

○ نظم و نثر کے اس مجموعہ کو میرزا کی خدمت میں بھیجنے تک ذکا نے میرزا کو جو چند خطوط لکھے تھے انہیں بھی حصۂ نثر میں شامل کر دیا۔ چناں چہ ذکا نے میرزا کو جو پہلا خط لکھا تھا، اس کے ان فقرات کو میرزا نے پسند کیا ہے۔

"بیشتر سر راہ نشستن است و نقش پائے مسافران پرستن"

(مخطوطہ ص ۱۳۱، مطبوعہ ص ۶)

۱۹

اس کے علاوہ ذکا کی نثر پر میرزا نے جہاں جہاں اصلاح دی ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

○ "بہ امیری سست رگ" کے زیرِ عنوان ذکا نے جو نثر لکھی ہے، اس کے ابتدائی جملے یہ ہیں۔

"خاطر محال سگال زمانہ را مزاجدانیست۔ و در گروِ آرزوی
دیدن جہانیست کہ آنجا باران بار دبی سحاب، روز بر آید بی آفتاب تا
بزم نشاطی ترتیب دادہ شود و ساز و سامانی آمادہ شود۔"

دوسرے جملے میں "آرزوی جہانیست" تھا۔ "دیدن" کا اضافہ میرزا نے کیا ہے۔
(مخطوطہ ص ۱۰۵، مطبوعہ ص ۱۱۱)

اسی طرح آخری جملوں میں پہلے "دادہ آید و آمادہ آید" تھا میرزا نے دونوں جگہ "آید" کو "شود" بنایا۔ اسی عبارت کے چند جملے اور ہیں۔

○ "یعنی شمع ہا از آتش یا قوت برافروزند و عود ہا بامجمر گرداب سوزند" یہاں پہلے "افروختہ" اور "سوختہ" تھا جس کو میرزا نے "افروزند" اور "سوزند" بنایا ہے۔ (مخطوط

صـ ۱۰۵، مطبوعہ صـ ۱۱۱)

اسی عبارت میں ایک جملہ یہ ہے۔

○ " برنیکو خدمتی خود ہا مغرور باشند و بتکرار کلمۂ اِنّ سعینا مشکور باشند"

ان جملوں میں پہلے لفظ "کلمہ" نہیں تھا۔ "ہمزہ" کے ساتھ کلمہ یعنی (کلمۂ) کا اضافہ میرزا نے کیا ہے (مخطوطہ صـ ۱۰۷، مطبوعہ صـ ۱۱۴)

○ " اسی عبارت میں ایک جملہ یہ ہے۔" فرّخا فال ما مرکان چالاک کہ سر توقع می خارند۔"

اس میں پہلے "خارند" کے بجائے کوئی اور لفظ تھا، جسے میٹ کر "خارند" بنایا ہے۔ (مخطوطہ صـ ۱۰۷، مطبوعہ صـ ۱۱۴)

○ غلام علی ناظم کے نام ذکا نے ایک مکتوب کا آغاز یوں کیا ہے۔

" الٰہی آنہارا کہ زیرہ بکرمان و سرمہ بصفاہان و لعل بہ بدخشاں و تیر بتوران و مخمل بکاشان و انار بسمنان و گیا بہ گلستان و گوہر بہ عمّان می برند" (مخطوطہ صـ ۱۱۶، مطبوعہ صـ ۱۲۳)

اس عبارت میں ہر جگہ " د" کا اضافہ میرزا نے کیا ہے۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ میرزا کی ایک طنزیہ مثنوی میں بھی اسی طرح کے مضامین ہیں۔ یہ مثنوی " سبد چیں" میں موجود ہے۔

○ اسی عبارت کا آخری جملہ یہ ہے۔

" گویا مظلومے است کہ با پیراہنِ کاغذی داد خواہ می فرستند"

(مخطوطہ صـ ۱۱۷، مطبوعہ صـ ۲۳)

اس جملہ میں "است" کے بعد "کہ" کا اضافہ میرزا نے کیا ہے۔ لیکن مطبوعہ نسخہ میں یہ جملہ یوں ہے۔

" گویا مظلومے را با پیراہنِ کاغذی دادخواہ می فرستند"

غلام محی الدین جودت کے نام ایک مکتوب میں ذکا نے یہ فقرہ لکھا ہے۔

" فکر مسامحت کہ بہ ہمان و فلان را واگذاشتند" (مخطوطہ صـ ۱۱۸، مطبوعہ صـ ۲۴)

اس فقرہ میں "کہ" اور "را" کا اضافہ غالباً میرزا نے کیا ہے۔ لیکن مطبوعہ نسخہ میں "کہ" نہیں ہے۔

○ اسی مکتوب کا ایک جملہ یہ ہے۔

"ورنہ نوکِ خامہ تیز است و پیمانۂ دوات لبریز۔"

(مخطوطہ ص ۱۱۹، مطبوعہ ص ۲۴)

یہاں "تیز" کے بعد "است" کا اضافہ میرزا نے کیا ہے لیکن مطبوعہ نسخہ میں "لبریز" کے بعد بھی "است" چھاپا گیا ہے۔

○ محمد تقی حسین رفعت کے نام میرزا کے ایک مکتوب کا جملہ یہ ہے۔

"گویم کم فرصتی کہ از دو پاس روز تا ہمان قدر شبی در تمشیت امور سرکار مکر سیخ کردنی ...."

(مخطوطہ ص ۱۲۰، مطبوعہ ص ۲۵)

یہاں "دو پاس" کے بعد "روز" کا اضافہ غالباً میرزا نے کیا ہے۔

○ محی الدولہ کی جانب سے غلام امام شہید کے مکتوب کا جو مسودہ ذکا نے بنایا، اس میں ایک جملہ یہ ہے۔

"مامشتِ خاک را چگونہ بگذارد تہدیہ بہ مہر چہ شگفت۔"

(مخطوطہ ص ۱۲۶، مطبوعہ ص ۵۲)

اس میں پہلے "چگونہ" کی جگہ غالباً صرف "چہ" تھا، جس کو میرزا نے "چگونہ" بنایا ہے۔

حصہ نثر میں ان اصلاحات کے علاوہ کم و بیش سات ایسے مقامات ہیں جہاں میرزا نے یا تو اعراب لگائے ہیں یا املا درست کیا ہے یا حروف عطف و جار کا اضافہ کیا ہے۔

۲۰

ستمبر ۱۸۶۴ء ہی میں یا بہر صورت ۲ ر اکتوبر ۱۸۶۴ء سے پہلے ذکا نے میرزا کو ایک خط لکھا، جس میں یہ درخواست کی کہ میرزا سند کے طور پر چند سطری ایک تقریظ بھی لکھ دیں۔ اس خط کے مطالب یہ ہیں کہ

"خدائے توانا کی درگاہ سے کہ اس کی رائگاں بخشیوں میں گمان سرمو تقصیر نہیں کر سکتا اور سرمو ایک زبان اور ہر زبان پر خواجہ بندہ نواز کی نوازشوں کی ایک داستان چاہتا ہوں۔ التفات بھی میری حرص دراز کو سیر چشم کرنے کے اندازہ سے ہوا ہے۔ یعنی عنایت نامہ دونوں اصلاح شدہ غزلوں کے ساتھ پہنچا ہے اور میرے التماس دلی کو شرفِ قبول حاصل ہوا۔ میں نے جرأت و جسارت میں کچھ کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس مہینے کی پانچ تاریخ کو سابق کلام کا مجموعہ روانہ کیا تھا۔(۴۶) اس جسارت سے مراد استفادۂ تعلیمات ہے۔ حک و اصلاح کے مقابل شرح اسباب کا خواستگار ہوں اور اس سند کے لیے کہ نظرِ اشرف سے گزر چکا ہے، چند سطری تقریظ کا امیدوار ہوں۔(۴۷)

اکتوبر ۱۸۶۴ء کو ذکا کو پھر ایک اور خط لکھنے کی ضرورت داعی ہوئی، وہ اس لئے کہ حیدر آباد میں اس بات کی شہرت عام ہو چکی تھی کہ ذکا میرزا غالب کے شاگرد ہیں لہٰذا بعض دوسرے اصحاب نے بھی غالب سے تلمذ کے لئے ذکا کا توسل اختیار کیا۔ محمد نجیب خاں ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ ذکا نے ان کے کلام پر اصلاح کے لئے میرزا سے مروتاً سفارش تو کر دی لیکن وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے فی الفور غالب کو ایک خط لکھا جس میں اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا۔ یہ خط اکتوبر ۱۸۶۴ء کا لکھا ہوا ہے، جس کے مطالب یہ ہیں۔

"آمنتُ بِکَ یا قبلتی ۔ اقرار لسانی کے لئے تو یہی چند سطور ہیں۔ لیکن تصدیق اس دل سے کی جاسکتی ہے جو جناب کے حضور میں ہے۔ چونکہ تجدید ایمان لازمہ احتیاط ہے ۔ لہٰذا سر آغاز سواد نامہ میں اس گزارش سے گریز نہیں ہے۔ تصنع اور سخن سازی چونکہ منظور نہیں ہے لہٰذا اس کا گمان نہ کیا جائے ۔ گذشتہ مہینہ یعنی ربیع الثانی (۴۸) کے اوائل میں سابق کلام کا مجموعہ اور اسی مہینے کے اواخر میں عریضہ ارسال خدمت کیا اور اس کی رسید کا منتظر رہا۔ خدا مجھ پر رحم کرے اور میری عمر بڑھائے تاکہ اس دفتر اصلاح کو دیکھوں اور سعادت سے مستفید ہوں ۔ میرے ایک دوست (۴۹) جنہوں نے تازہ دوکانِ سخن کھولی ہے انہوں نے میری مصلحت آمیز رضامندی کے سبب اپنی متاع حضرت کے یہاں بھیجی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سفارش نامہ ایسا ہے کہ جس کے لکھنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ ایسے شخص کو رجوع کرنا اگرچہ خاطر پر گراں تھا اور خادم کے لئے درد سر۔ لیکن وہ اس وجہ سے ہوا کہ میں جناب کے اسم سامی کی شہرت کا مورث ہوں۔ جو ہوا وہ اس معترف غلامی و بندگی کی رہ نمائی نہیں ہے۔" (۵۰)

۲۱

اس زمانے میں مولوی نجف علی صاحب مرشد آبادی کی "دافع ہذیان" چھپ چکی تھی (۵۱)۔ اور حیدرآباد کے بازار میں دستیاب نہیں تھی ۔ ذکا یہ سمجھے ہوئے تھے کہ مولوی نجف علی دہلی کے رہنے والے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے اس مکتوب کے ساتھ مولوی حکیم نجف علی صاحب کے نام ایک خط میرزا سے

اس گذارش کے ساتھ ملفوف کر دیا کہ اسے وہ مولوی صاحب کے پاس پہنچا دیں۔ مولوی نجف علی کے نام ذکا کے خط کا ترجمہ یہ ہے۔

"جناب مولوی صاحب جلیل المناقب۔ تسلیم۔ نسخہ "دافع ہذیان" جو صاحب محرق کے چارۂ کار کے طور پر لکھا گیا ہے، مجھ بے سروپا کو مولوی شہید صاحب سے عاریتاً دیکھنے کو ملا ہے۔ جناب والا کی سلامتی طبع اور صحت رائے کا اندازہ ہوا۔ اس سے پہلے اس خصوص میں مولوی معنوی نے فرمایا تھا ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

قصہ کوتاہ۔ اگر بندہ کو اس قدر دل و جگر نہیں ہے کہ شاہ مردانِ سخن کے اعوان و انصار کی رفاقت کی راہ پر قدم رکھوں تو اس قدر اندھا اور گونگا بھی نہیں ہوں کہ مخالفوں کے معرکہ میں تلواروں کی چکا چاک کو دور سے بھی نہ دیکھ سکوں۔ چونکہ اس کتاب کا نسخہ دکانوں پر نہیں ملتا اور اتنی فرصت نہیں کہ اس کو نقل کر ڈالوں، امید رکھتا ہوں کہ مجھے اس کا ایک نسخہ عنایت فرمائیں گے اور ہمیشہ مجھ پر ایسی ہی نظر کرم رکھیں گے۔" (۵۲)

ذکا کے اس خط کا میرزا نے جو جواب دیا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"بندہ پرور

کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا۔ آج میں پاسخ طراز ہوا۔ جس کاغذ پر میں نقوش کھینچ رہا ہوں آپ کے خط کا دوسرا سرورق ہے۔ پہچان لیجئے اور معلوم کیجئے کہ آپ کا مجموعہ کلام معجز نظام اور اس کے بعد پیہم دو خط پہنچے۔ میں صحیفہ شریف کی رسید لکھ چکا ہوں بلکہ اسی خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور ارمغاں کا شکر ادا اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے۔ پارسل کے سرنامہ پہ میرا نام مٹا نہیں، پارسل

تلف ہوا نہیں، آٹھ دس روز ہوئے ہوں گے کہ وہ مجلد اسی پارسل میں کہ اس کو رو گرداں کر لیا ہے۔ بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ پاس پہنچ گیا ہوگا۔ ہاں صاحب خط دیروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام کا مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب کے پاس پہنچاؤں، میں نے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں۔ صرف اتحاد معنوی کے اقتضار سے انھوں نے "دافع ہذیان" لکھ کر فن سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں۔ ان کو وہ خط بجنسہ بھیج دیا۔ یقین ہے کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھجوا دیں گے۔ انہیں کے اظہار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالے میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بقدر حال ایک ایک قدرداں پایا۔ غالب سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی۔

کسم بخود نہ پذیرفت و دہر بازم برد
چو نامۂ کہ بود نانوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے۔ ولیعہد خسرو[53] دہلی میرزا فتح الملک بہادر[54] مغفور کے قصیدے کا۔ اور دیکھو ایک رباعی میری۔

دستم بہ کلید مخزنے می بایست
در بود نہی بہ دامنے می بایست
یا ہیچ گہم بکس نیفتادے کار
یا خود بہ زمانہ چوں منے می بایست

انا للہ وانا الیہ راجعون اکتوبر ۱۸۶۴ء "[55]

یہاں سے گویا ذکا "قاطع برہان" کے معرکے میں شریک ہوتے ہیں۔ اس خط میں میرزا نے جس

پارسل کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس کتاب کا پارسل تھا۔ تاہم یہ کوئی ایسا ہی پارسل تھا جو میرزا نے ذکا کو بھیجا تھا۔ جس پر سے مرسل الیہ کا نام کسی وجہ سے مٹ گیا البتہ مرسل کا نام نہیں مٹا اور وہ پارسل پھر میرزا کے پاس لوٹ آیا۔ انہوں نے دوبارہ اس کا محصول ادا کر کے روانہ کر دیا۔

اس کے چند ہی دنوں کے بعد غالباً اکتوبر یا نومبر ۱۸۶۴ء میں "محرق قاطع برہان" مصنفہ سید سعادت علی کا ایک نسخہ کہیں سے ذکا کو مل گیا۔ یہ کتاب چھپی بھی ۱۸۶۴ء میں ہی تھی۔ اس کی اطلاع ذکا نے غالب کو دی۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو خطوط لکھے، جن میں اپنے کلام پر اصلاح اور میرزا کی رائے کی بابت بھی استفسار کیا ہے لیکن یہ خطوط ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ تاہم ان دونوں خطوط کا میرزا نے ۲۸ نومبر ۱۸۶۴ء کو جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے۔

"بندہ پرور،

تمہارے دونوں خط پہنچے۔ غالب گسستہ دم، کو تہ قلم، نہ لکھے تو یہ اور بات ہے۔ دونوں خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خاں کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ خاں صاحب کے پارسل میں ایک کتاب "ارمغاں" اور اوراق اصلاح بھیجے جائیں گے۔

اہا ہا ہا! "محرق قاطع" کا تمہارے پاس پہنچنا۔

کامے کہ خواستم ز خدا شد میسرم

میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا؟ مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آ گیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کیے (۵۶) دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے (۵۷) جدا جدا لکھے۔ دانا ہو اور منصف ہو "محرق" کو دیکھ کر جانو گے کہ مؤلف اس کا احمق ہے اور جب وہ احمق "دافع ہذیان" و "سوالات عبدالکریم" اور "لطائف غیبی" کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور "محرق" کو دھونڈ ڈالا تو معلوم ہوا کہ بے حیا بھی ہے۔ "دافع ہذیان"، "سوالات"، "لطائف غیبی" تینوں

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں کسی امیر کا نہیں کسی شیخ شیاد کا نہیں یہ کلام میرزا [illegible] روح کا ہی اور فقیر اپنی دوست کے کلام کو

بعوض اصلاح میں بنظر دشمن دیکھتا ہی بس جب تملق نہیں مدارا نہیں تو جو مجکو نظر آیا ہی بے حیف و میل کہونگا نثر میں نعمت خان

عالی کی طرز کا احیا کیا ہی مگر پیرایہ کچھہ اوس سے بہتر دیا ہی قصاید میں انوری کا چربہ اوتہارا ہی مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے

غزلیں متاخرین کا انداز عاشقانہ سوز و گداز منشی حبیب اللہ ذکا سخنور بیہ ذات یکتا لفظ طراز معنی آفرین آفرین

صد آفرین صد ہزار آفرین

" خاش و خماش " پر میرزا غالب کی تقریظ بہ قلم غالب

نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ بتقدیم وتاخیر یک دو روز، نظرِ انور سے گزریں۔ فی الحال اس پارسل کی رسید بفورِ ورود لکھیے گا۔ جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مسترد پہنچے تو اس کی رسید رقم کی جائے گی۔ چار نسخے پارسل میں ہیں۔ دو آپ لیجیے اور دو محمد[۵۹] نجیب خاں صاحب کو دیجیے۔

دوشنبہ ۲۸۔ نومبر ۱۸۶۴ء غالب" (۵۸)

(۲۲)

میرزا نے اپریل ۱۸۶۵ء تک ذکا کے سابق مجموعہ کلام کو دیکھ ڈالا اور اس پر ذکا کی خواہش کے مطابق حسب ذیل تقریظ بھی لکھ دی۔

"یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں، کسی امیر کا نہیں، کسی شیخ شیاد کا نہیں۔ یہ کلام میرے ایک دوست روحانی کا ہے اور فقیر اپنے دوست کے کلام کو معرضِ اصلاح میں بنظرِ دشمن دیکھتا ہے۔ پس جب تملق نہیں، مدارا نہیں تو جو مجھکو نظر آیا بے حیف و میل کہوں گا۔ نثر میں نعمت خان عالی کی طرز کا احیاء کیا ہے۔ مگر پیرایہ کچھ اس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری کا چربہ اوٹھایا ہے۔ گو طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انداز، عاشقانہ سوز و گداز، منشی حبیب اللہ ذکا سخنور ہمہ دان، یکتا، لفظ طراز، معنی آفریں، آفرین صد آفرین صد ہزار آفرین۔

مہر "

غالب سنہ ۱۲۷۸ھ

یہ تقریظ نسخۂ نظامیہ کے چوتھے صفحہ پر میرزا کے اپنے قلم سے درج ہے۔ اس کے آخر میں ۱۲۷۸ھ والی مہر واضح طور پر ثبت ہے۔ "خاش و خماش" کے مطبوعہ نسخہ کے صفحہ اول پر یہ تقریظ اس عنوان سے درج کی گئی ہے۔

"سواد عبارتے کہ والا جناب مستطاب نواب اسد اللہ خاں غالب
دہلوی در سال ہزار و دو صد و ہشتاد و یک بر پشت مجموعہ نظم و نثر کہ
بغرض اصلاح خدمت والا شان فرستادہ شدہ بود بقلم خویش رقم فرمودہ
اند و پایان آں مہر خود زدہ اند۔"

اس عنوان میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ میرزا نے یہ تقریظ مجموعۂ نظم و نثر کی "پشت" پر لکھ دی تھی۔ اگر پشت سے مراد آخری صفحہ ہے تو یقیناً جلد بندی کے وقت اس صفحہ کو آخر سے نکال کر ابتدا میں لگا دیا گیا ہے۔

یاد ہوگا کہ ستمبر ۱۸۶۴ء کے دوسرے خط میں ذکا نے میرزا سے یہ درخواست کی تھی حک و اصلاح کے مقابل شرح اسباب بھی درج کر دیں، چنانچہ جب اس طرح سے اصلاح شدہ کلام ذکا کے پاس پہنچا تو انہوں نے اصلاحات اور ان کی وجوہ پر غور کیا اور اس میں ان کو جو شبہات پیدا ہوئے ان کو پھر میرزا سے رجوع کیا۔

میرزا نے بعض اشعار کے معاملہ میں ذکا کی رائے ہی کو مسلّم رکھا اور بعض اشعار پر اپنی اصلاح کو ترجیح دی۔ افسوس یہ ہے کہ یہ خط و کتابت دستیاب نہیں ہوتی تاہم یکم مئی کو اسی سلسلہ میں میرزا کا لکھا ہوا جو خط ملتا ہے وہ اس نقطہ نظر سے قابل غور ہے۔ خط ملاحظہ ہو۔

"اے عنایت بہ عنایت ہم شکل!

"آپ کا خط حاوی حل شبہات جس دن پہنچا اس کے دوسرے
دن جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے۔ دو شعروں
کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی ۔۔ دو تین شعروں میں تمہاری رائے
مسلّم رہی۔ باوجود فقدان حافظہ و استیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا
ہوا لفظ یاد ہے۔

چہ غرّہ غرّہ پیشانی سمند عمر

بدل مصرع: چہ غرّہ غرّہ پیشانی تگاور عمر

دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ "شبگردگراں رکاب" کچھ اسی

طرح کے دو لفظ تھے۔ بے واوِ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے"!

صبح شنبہ ۳۔ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال[۱۲]

(۱۲۸۱ھ۔ ۱۸۶۵ء) غالب" (۵۹)

۳ ذی الحجہ ۔ ۲۹ اپریل

(۲۳)

یہ زمانہ ذکا اور میرزا دونوں کے لیے بہت الجھنوں کا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں سرسالار جنگ نے اصلاح نظم و نسق کے سلسلہ میں بڑے پیمانے پر ترقی اور تبادلے کے احکام صادر کیے تھے۔

ان احکامات سے ذکا کے مسائل بھی وابستہ تھے۔ ایک تو وہ دارالانشاء سے نوکری چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے اور دوسری طرف ترقی کے بھی خواہاں تھے۔ یہ دونوں امور ایک ساتھ تو کجا جدا جدا بھی سہل نہیں تھے۔ حیاتِ ذکا کا مطالعہ کرنے والے ان مسائل کا بہتر تجزیہ کر سکتے ہیں۔

ادھر میرزا غالب کا حال جدا تھا۔ ۲۱۔ اپریل ۱۸۶۵ء کو نواب محمد یوسف علی خاں والی رامپور کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ نواب کلب علی خاں مسند نشین ہوئے۔ اس زمانے میں میرزا کا ذہن جس طرح رامپور کی طرف متوجہ رہا اُس کا اندازہ اس زمانے کے لکھے ہوئے مختلف احباب کے نام ان کے متعدد خطوط سے ہوتا ہے اور خاص طور سے وہ خطوط جو رامپور لکھے گئے تھے۔

میرزا کو نواب فردوس مکان کی تعزیت اور نواب کلب علی خاں کی تہنیت کے لیے رامپور جانا ہی تھا۔ اس میں سفر خرچ اور دوسرے مسائل درپیش تھے۔ بہر حال ۷ ر اکتوبر ۱۸۶۵ء کو

میرزا دہلی سے رامپور کے لیے روانہ ہو گئے اور ۱۲ ر اکتوبر ۱۸۶۵ء کو رامپور پہنچے میرزا رامپور میں دو ڈھائی مہینے رہنے کے بعد ۲۸ ر دسمبر کو رامپور سے دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔ (۵۹/۱)

یہ دسمبر کی سردیوں کا موسم تھا اور اس زمانے میں بارش بھی ہو رہی تھی۔ راستے میں میرزا کو سیلاب کا ایک افسوس ناک حادثہ پیش آیا، جس سے وہ بیمار ہو گئے اور مراد آباد ٹھہرتے ہوئے ۸ ر جنوری ۱۸۶۶ء کو بقول میرزا "بھیگتا بھاگتا" "بھوکا جاڑا کھاتا" دہلی واپس پہنچے ۶۸ سال کی عمر میں اس حادثہ نے ان کی صحت پر برا اثر کیا۔ ان حالات میں طویل عرصہ تک میرزا غالب اور ذکا کی خط و کتابت میں باضابطگی نہیں رہ سکی۔ تاہم اس عرصہ میں، غالباً میرزا کی رام پور سے واپسی کے بعد، ذکا نے غالب کو کم از کم تین خطوط لکھے۔ ایک خط میں ذکا نے اپنی بیماری کی اطلاع دی۔ دوسرے میں اصلاح کے لیے غزل بھیجی اور تیسرا خط غالباً جواب نہ ملنے کی وجہ سے رجسٹری کے ذریعہ بھیجا۔ یہ خط مرزا کو ۱۱ ر مئی ۱۸۶۶ء کو وصول ہوا۔ اس خط میں ذکا نے اپنے گذشتہ خطوط کے جواب نہ ملنے کا گلہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا کہ شاید رجسٹری سے پہلے کے خطوط ڈاک میں ضائع ہو گئے ہوں۔ غزل والے خط کے بارے میں میرزا کا ادعا یہ تھا کہ انہوں نے اس کا جواب دے دیا تھا۔ اس خط میں ذکا نے غالب سے میرزا صابر کا تذکرہ بھیجنے کی فرمائش بھی کی۔ ۱۱ ر مئی ۱۸۶۶ء کو میرزا نے ذکا کو جواباً جو خط لکھا وہ یہ ہے۔

> "میرے مشفق میرے شفیق، مجھ سے ہیچ پوچ کے ماننے والے، مجھ سے برے کو اچھا جاننے والے میرے محب، میرے محبوب، تم کو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتوان تھا، اب نیم جان ہوں۔ آگے بہرا تھا، اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رام پور کے سفر کا رہ آورد ہے۔ رعشہ و ضعف بصر۔ جہاں چار سطریں لکھیں انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں، حرف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا، بہت جیا، اب زندگی برسوں کی نہیں، مہینوں اور دنوں کی ہے۔
>
> پہلا خط تمہارا پہنچا، اس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا متواتر دوسرا خط مع غزل آیا۔ غزل کو دیکھا سب شعر اچھے اور لطیف۔

حافظے کا یہ حال ہے کہ غزل کی زمین یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بد لاگیا تھا۔ غرض کہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو۔

کل ایک خط رجسٹری وار آیا، گویا ستارہ دنبالہ دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے۔ بارے کھولا اور دیکھا۔ خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور شکوہ ہائے بے جا سے لبریز۔

صاحب میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو، وہیں وہ جائے تو رہ جائے ورنہ دلّی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر کیا مجال ہے جو مجھ تک نہ پہنچے۔ وہاں کے ڈاک کے کارپرداز وں کو اختیار ہے۔ مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں۔ آپ میرزا صابر (۶۰) کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ اس کا یہ حال ہے کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہو گیا۔ اب ایک مجلد اس کا کہیں نظر نہیں آتا۔

بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلدی لکھو۔ جوابِ خط کا طالب غالبؔ۔

صبح جمعہ ۲۵۔ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ ۔۔۔۔۔ ۱۱۔ مئی ۱۸۶۶ء (۶۱)

اسی زمانے میں ایک دل چسپ واقعہ پیش آیا۔ مرزا یوسف علی خاں عزیز بنارسی غالب کے عزیز شاگردوں میں سے تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں کی کوششوں سے بادشاہ کے دربار سے خلعت کے

علاوہ سراج الشعراء سلطان الذاکرین کا خطاب اور تیس روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر ہوا۔ غدر کے ساتھ ہی وظیفہ بھی ختم ہوگیا۔ کچھ مدت غالب کی امداد پر عمر بسر کرتے رہے۔ آخر تلاش روزگار کے سلسلے میں بھوپال پہنچے اور وہیں انتقال کیا۔ (۶۲)

یوسف علی خاں روزگار کی تلاش میں بھوپال سے پہلے حیدر آباد کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے اپنے خطابات کی تفصیلات کے ساتھ اپنا تعارف کرواتے ہوئے ذکا کو ایک خط لکھا۔ ذکا نے اس کا جواب یوسف علی خاں کو دیا اور شاید میرزا سے بھی اس بارے میں کچھ استفسار کیا۔ اس غیر متوقع شناسائی پر میرزا کو بڑی حیرت ہوئی۔

"درفش کاویانی" ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی تھی لیکن میرزا اپنی صحت اور الجھنوں کے سبب اسے فی الفور ذکا کے پاس نہیں بھیج سکے۔ تاہم نومبر ۱۸۶۶ء میں اس کا ایک نسخہ پارسل کے ذریعہ بھیجا۔ ۴ر دسمبر ۱۸۶۶ء کو میرزا نے یوسف علی خاں سے شناسائی، "درفش کاویانی" کی رسید اور اپنی صحت سے متعلق ذکا کو حسب ذیل خط لکھا۔

"دوست روحانی، برادر ایمانی، مولوی حبیب اللہ خاں منشی کو فقیر غالب کا سلام۔ تم نے یوسف علی خاں کو کہاں سے ڈھونڈ نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے معلوم کیا؟ بغیر نشان محلہ کے ان کو خط کیوں کر بھیجا اور وہ خط ان کو کیوں کر پہنچا؟

حیرت اندر حیرت است اے یار من

پہلے یہ تو کہو کہ "درفش کاویانی" اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں؟ اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی؟

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ

در خصوصِ گفتگوئے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید کی داد دو۔ اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔

زیستن دشوار، اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے

تہترواں برس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ، دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی، قریب شام کبھی کبھی تین تلے ہوئے کباب۔ چھ گھڑی رات گئے پانچ روپے بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔

اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اٹھ نہیں سکتا اور اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چارپایہ بن کر اٹھتا ہوں، تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔ مع ہذا دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اٹھا اور پیشاب کیا اور پڑ رہا۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا بعد ازافۂ بول بے تکلف نیند آجاتی ہے۔ ایک سو باسٹھ روپے آٹھ آنے کی آمد، تین سو کا خرچ، ہر مہینے میں ایک سو چالیس کا گھاٹا۔ کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں؟ مردن ناگوار یہی ہے، مرنا کیوں کر گوارا ہو گا؟

بھائی یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

جواب خط کا طالب غالب

سہ شنبہ از روئے جنتری ۲۶، اور از روئے رویت ۲۵ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴۔ دسمبر ۱۸۶۶ء (۶۳)

میرزا کے اس خط کا جواب دیتے وقت ذکا نے ایک دل چسپ حرکت کی۔ یہ کہ یا تو اس کا جواب اپنے فرزند محمد میراں کی طرف سے لکھایا یا اپنے فرزند کا بھی ایک خط میرزا غالب کے نام ملفوف کر دیا۔ ذکا کے بیٹے محمد میراں (۶۴) کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی اور قیاس یہی ہے کہ بیٹے کی طرف سے لکھا ہوا خط بھی خود ذکا ہی نے لکھ دیا تھا۔ بہر حال اس خط میں ذکا نے میرزا یوسف علی کے بارے میں کچھ مزید استفسارات بھی کیے ہیں۔ نیز صاحبزادے کے خط میں میرزا کے تازہ کلام کی فرمائش کی گئی تھی۔

میرزا نے ان امور کے جوابات دینے کے علاوہ غلام امام شہید کے بارے میں بعض باتیں

دریافت کی ہیں۔ چوں کہ انہوں نے اودھ اخبار میں اس سلسلے میں کچھ خبریں پڑھی تھیں۔ ان تمام امور سے متعلق ۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء کو میرزا نے ذکا کو حسب ذیل خط لکھا۔

"جانان بلکہ جان، مولوی منشی حبیب اللہ خاں کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ سرور سینہ منشی محمد میران کو دعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کے ظہور کی نوید جو نگارش صاحبزادے کی طرف سے تھی، رسم الخط بعینہ تمہاری تھی۔ اب تم بتاؤ کہ رقعہ اس کی طرف سے تم نے لکھا ہے یا خود اس نے تحریر کیا ہے؟ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدرآباد نہیں آیا ظاہراب تم نے وطن سے بلایا ہے۔ مفصل لکھو کہ نخل مراد کا ثمر یہی ہے یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے؟ یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے؟ ہاں صاحب، محمد میراں بہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سیّد ہوں۔ منشاء افراط پرسش وفور محبت ہے نہ فضولی۔

یوسف علی خاں شریف و عالی خاندان ہیں۔ بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپے مہینہ پاتے تھے۔ جہاں سلطنت گئی وہاں وہ تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں۔ ریختہ کہتے ہیں، ہوس پیشہ ہیں، مضطر ہیں، ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا باپ میرا دوست تھا۔ میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بقدر اپنی دست گاہ کے کچھ مہینہ مقرر کر دیا ہے۔ مگر بہ سبب کثرت عیال وہ ان کو مکتفی نہیں۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے تو کیا کرو گے؟

صاحب میں بعینِ عنایتِ الٰہی کثیر الاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ نام اس کا "مؤید برہان" ہے۔ اس رسالے میں دفع کیے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کیے ہیں۔ اور تحریر پر کچھ

اعتراضات وارد کیے ہیں۔ اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ بس بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق اس دوست کو اور دو چار جلدیں "درفش کاویانی" علاوہ اوراق مذکورہ بھیج دیئے۔ اسی زمانے میں تین چار ورق خوب یاد ہے کہ "درفش" کی جلد میں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے یا تم نے "درفش" کو کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع "درفش" زینت طاق نسیاں ہیں۔ وہ ورق اس لفافے میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں۔ تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی یہی ہے اور بس۔

ہاں صاحب اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا "مکان تنگ است" "جہاں تنگ است" مدح مختار الملک میں متضمن استدعائے مسکن وسیع۔ پھر مہینے بعد اسی "اودھ اخبار" میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا، مگر تیس روپے مہینہ بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے۔ اور ان کے شاگرد وحشیع تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے آپ سے اس روئداد کی تفصیل اور جواب اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں، بسبیل استعجال۔

دوشنبہ ۱۶۔ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۴۔ دسمبر ۱۸۶۶ء" (۶۵)

غالب نے اپنے اس مکتوب میں پہلی دفعہ ذکا کے نجی حالات سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ کہ شاید ذکا قوم کے سید تھے۔ اس کے بعد یوسف علی خاں کا ذکر جس انداز میں آیا ہے اس سے ذکا کو اس بات کی تحریک ہوئی کہ وہ میرزا کے حالات سے زیادہ واقفیت حاصل کریں۔ غالباً میرزا نے اس خط کا جواب دو اقساط میں دیا۔ اس سلسلے کا پہلا خط تو نہیں ملتا لیکن دوسرا خط ملتا ہے۔ اس خط میں میرزا نے اپنی صحت، غذا اور عمر کے بارے میں معلومات کے علاوہ اپنی سوانح کے بارے میں ذکا کو

تفصیلی معلومات بہم پہنچائی ہیں ۔ یہ خط ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء کا لکھا ہوا ہے ۔ وہ یہ ہے ۔

"بھائی میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے ۔ ظاہرا معاملہ ارواح ہے ۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں ۔ تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ روانہ ہوچکا ہے ۔ وقت پر پہنچے گا ۔ "ستر ابہترا" اردو میں ترجمہ پیر خرف ہے ۔ میری تہتر برس کی عمر ہے ۔ پس میں "اخرف" ہوا ۔ گویا حافظہ کبھی تھا ہی نہیں ۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا ، رفتہ رفتہ وہ بھی حافظے کی مانند معدوم ہوگیا ۔ اب مہینہ بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے ۔ وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں ۔ غذا مفقود ہے ۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر ، دوپہر کو گوشت کا پانی ، سرشام گوشت کے تلے ہوئے چار کباب ، سوتے ہوئے پانچ روپے بھر شراب اور اسی قدر گلاب ۔ خرف ہوں ، پوچ ہوں ، عاصی ہوں ، فاسق ہوں ، روسیاہ ہوں ۔ یہ شعر میر تقی کا ہے ۔ میرے حسب حال ہے ۔

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اس وقت کچھ افاقت تھی ۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا ۔ بکس کھولا تو تمہارا خط نظر پڑا ۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے ۔

ناچار اب کتابت جداگانہ میں لکھتا ہوں تاکہ خلعت کا حال اور میرے حالات تم کو معلوم ہوجائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں ۔ دادا میرا ماوراءالنہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا ۔ سلطنت ضعیف ہوگئی تھی ۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا ۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی

(۶۶)

تنخواہ میں پایا بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا، وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدر آباد جاکر نواب نظام علی خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سواروں کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ (۶۷) کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا۔ اس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۳ء میں جب جنرل لیک صاحب کا عمل ہوا، صوبہ داری کمشنری ہوگئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جنرل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سوار کا برگیڈیر ہوا۔ ایک ہزار سات سو روپے ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی کہ بمرگ ناگاہ مرگیا۔ رسالہ برطرف ہوگیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہوگئی، وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مرگیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مرگیا۔ ۱۸۳۰ء میں کلکتہ گیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی، دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ، سرپیچ مالائے مروارید، بہ تین رقم خلعت ملا۔ زاں بعد جب دلّی میں دربار ہوا، مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر بہ جرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت دونوں بند ہوگئے۔ میری بریت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس کے بعد بند چھوٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ غرض کہ یہ خلعت ریاست کا ہے۔ عوض خدمت نہیں، انعامی نہیں۔ معوج الذہن نہیں ہوں۔ غلط فہم نہیں ہوں۔ بدگمان نہیں ہوں۔ جو جس کو سمجھ لیا اس میں فرق نہیں

آنا۔ دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدر آباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بیرنگ بدبری طرح کیا تھا۔ کھولنے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطالب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والی کی غرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج وملال ہو، قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کرکے بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط کو پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے کہ تمہاری ترقی منصب اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ م ۱۵۔ فروری ۱۸۶۷ء" (۶۸)

اس خط کے آخر میں جس گمنام خط کا ذکر کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ محمد نجیب خاں کا ہو۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جب ذکا دوم تعلقدار ہو گئے تھے۔ اس گمنام خط میں ذکا کی اسی ترقی کی اطلاع دی گئی ہے۔ غالباً مراسلہ نگار نے غالب کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ حیدر آباد میں ذکا ان کے نام کا استحصال کرتے ہوئے ترقی کے زینے چڑھ رہے ہیں۔

۱۸۶۷ء مرزا کے لیے شدید مصائب کے آغاز کا سال تھا۔ ایک طرف تو ان کی صحت اس حد تک خراب ہو چکی تھی کہ انہوں نے فروری ۱۸۶۷ء میں دہلی کے دو اخباروں "اکمل الاخبار" اور "اشرف الاخبار" میں ایک بیان چھپوا کر اس کا اظہار کر دیا کہ ان کی صحت اس قابل نہیں رہی تھی کہ وہ اصلاح کلام کر سکیں یا خطوط کا جواب دے سکیں۔ اور اگر کسی صاحب کو ان کی طرف سے کچھ رنج وملال ہوا ہو تو

خالصاً للہ اس کی معافی چاہی تھی۔ دوسری طرف "برہان قاطع" کا معرکہ اس وقت نقطۂ عروج پر تھا۔ میرزا کے خلاف اس وقت مسلسل مضامین اور کتابیں لکھی جارہی تھیں۔ "محرق قاطع"، "ساطع برہان"، "قاطع القاطع"، "موید برہان" کے بعد اب "شمشیر تیز تر"، "منظومات"، "ہنگامہ دل آشوب" اس زمانے تک شائع ہو چکی تھیں اور ۲۲ دسمبر ۱۸۶۷ء کو مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی میں میرزا کو زک اٹھانا پڑی۔

میرزا کے خطوط کے مجموعوں میں بہت کم ایسے خطوط ہیں جو ۱۸۶۷ء کے لکھے ہوئے ہوں۔ اس زمانے میں جن چند خاص لوگوں کو میرزا نے خطوط لکھے ہیں، ان میں ایک ان کے نطق کی تلوار میاں داد خاں سیاح ہیں۔ اور دوسرے ان کے دوست روحانی حبیب اللہ ذکا ہیں جو میرزا کے شریک غم ہیں۔ اس زمانے میں غالب کو ذکا کی مخلصانہ عقیدت مندی سے بڑی ڈھارس تھی۔ اگر مہینہ بھر بھی ذکا کا خط نہ ملتا تو میرزا شکایت کرنے لگتے۔ "برہان قاطع" کے اس معرکے میں جہاں میرزا نے میاں داد خاں سیاح کے نام سے استفادہ کیا وہیں وہ یہ چاہتے تھے کہ ذکا بھی اس میدان میں اتر آئیں کیوں کہ ذکا اپنے علم و فضل کے اعتبار سے میرزا کی بہترین وکالت کر سکتے تھے۔

"موید برہان" کے بارے میں ۱۴ مارچ ۱۸۶۷ء کو میرزا نے اپنے خط میں ذکا سے جو فرمائش کی وہ کم و بیش وصیت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ میرزا زندہ رہیں یا نہ رہیں ذکا اس کا جواب ضرور لکھیں۔ "موید برہان" کا جواب لکھنے کے لیے میرزا نے کچھ اشارات بھی لکھ رکھے تھے، جو ذکا کو بھیجنے والے تھے۔ ۱۴ مارچ ۱۸۶۷ء کا خط یہ ہے۔

"جان غالب،

تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے۔ اور آمد و رفت ڈاک کی مدت گزر گئی۔ اس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ "موید برہان" میرے پاس بھی آگئی ہے۔ اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں، وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ شرط مودت، بشرط آنکہ جانی نہ رہی ہو اور باقی ہو۔ یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب میرے بھیجے ہوئے

اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کر دو۔ میں اب قریب مرگ ہوں۔
غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی۔ بہتر برس کی عمر۔ انا للہ وانا
الیہ راجعون۔ میاں محمد میراں کو دعا۔

۱۴ - مارچ ۱۸۶۷ء جواب کا طالب، غالب"(۶۹)

ابھی یہ خط ذکا کو پہنچا بھی نہیں تھا کہ ذکا نے میرزا کو خط لکھا۔ اس خط میں ذکا نے میرزا کے کسی شعر میں حرکت ماقبل روی کے بارے میں کوئی استفسار کیا تھا۔ ۱۸ / مارچ ۱۸۶۷ء کو میرزا نے اس علمی مسئلہ کا نہایت مدلل جواب دیا۔ ساتھ ہی ساتھ ضعیفی کے نسیان میں ان کو یہ خیال گذرا کہ ذکا نے یہ خط میرزا کا ۱۴ / مارچ ۱۸۶۷ء والا خط وصول ہونے کے بعد لکھا ہے۔ لہذا اس مکتوب میں "موید برہان" کے جواب لکھنے کے بارے میں ذکا کے 'ہاں' یا 'نا' کچھ نہ لکھنے پر شکایت کی ہے۔(۷۰) ۱۸ / مارچ ۱۸۶۷ء والا خط حسب ذیل ہے۔

"بندہ پرور

آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔ جو آپ کی عبارت سے سمجھ گیا ہوں۔ اس کا جواب لیجئے اور جو نہیں سمجھا وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجئے۔ عماد، عمائد شعرائے قدیم میں سے ہے۔ اسی کے ہاں سات بیت کی ایک غزل ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

پائے سر تا نشود راہ تو رفتن نتواں
جز بہ جاروب مژہ کوئے تو رُفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے ہیں۔ استاد دو مصرعوں میں حرکت ماقبل روی مختلف لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا؟ آیا معترض صاحب استاد مبتلی و ناظر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے؟ یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔

بندہ نواز میں نے لکھا کہ "مویدِ برہان" میرے پاس آگئی ہے۔
اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ وسطر ایک تختہ کاغذ
پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ
تم از راہ عنایت "موید" کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پسند آئے اس
کو بھی جا بجا درج کردو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں، نا، کچھ
نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھئے اور ضرور
لکھئے۔ میاں میراں کو دعا۔

۱۸۔مارچ ۱۸۶۷ء" (۱)

اس زمانے میں میرزا کی صحت کا لحاظ رکھتے ہوئے ذکا نے خط لکھنے میں احتیاط برتنا شروع کی۔(۲)
اور خود ذکا کی طبیعت بھی کچھ دن ناساز رہی۔ بہر حال "موید برہان" کے اعتراضات کے سلسلے میں
میرزا نے نشان صفحہ وسطر کا جو تختہ جوابات کے لئے ذکا کے پاس بھیجا تھا اور اس میں جا بجا خود
اپنی نگارش کو درج کرنے کی ہدایت کی تھی، ذکا نے وہ تختہ مکمل کر لیا۔ جس خط کے ذریعہ ذکا نے
یہ تختہ غالب کو بھیجا اس کے مطالب یہ ہیں۔

"جناب قبلہ گاہی مدظلہ العالی۔

ایک عرصہ سے جناب والا کے خامۂ نیساں رقم کے رشحات نے
بندہ کی آبرو نہیں بڑھائی اور اس طرف سے جو عرایض ارسال نہیں
ہوئے اس کا سبب ناسازی مزاج اور نایاوری فرصت ہے۔ ورنہ
حقیقت یہ ہے کہ دل کا ہر ٹکڑا مشقِ ارادت سے پیوست ہے۔ اور
آنکھ کا ہر پردہ ورق تصویر حضرت ہے۔ اس وقت دو امور کی بابت
دریافت ضروری ہے۔ جن کے بارے میں جواب کے لئے مضطربانہ
منتظر ہوں اول تو یہ کہ "پنج آہنگ" میں مصطفٰے خاں کے نام جو مکتوب
ہے اس کا مفہوم کیا ہے جس کا آغاز اس شعر سے ہوا ہے۔

ترسم رہم بہ کعبۂ اسلامیاں فتد گم کردہ ام بہ وادئ شوقِ تو راہ را

دوسرے اس خبر کی تصدیق یا تردید چاہتا ہوں کہ ایک نسخہ "ساطع برہان"
کے نام سے چھپ گیا ہے۔ یہ خبر اکثر لوگوں کے زبان زد ہے۔ "دافع ہذیان"
اور "لطائف غیبی" بندہ کی دانست میں منتہی الکلام ہیں، محض روا ہے۔
اس عریضہ کے ساتھ ایک علیحدہ ورق منسلک ہے۔ اس کے ہر فقرے
کے بالمقابل راز سے آگاہ کرنے والی شرح اور اس مسمّیٰ کی کیفیت ہے
کہ جس کے تصوّر سے دل کو حیرت ہوتی ہے اور ایک اشارۂ وسوسہ
گداز ہے۔" (۷۳)

اگر یہ مان لیا جائے کہ اس خط میں ذکا نے جو علیحدہ ورق منسلک کیا ہے اور جس کے ہر فقرے کے بالمقابل راز سے آگاہ کرنے والی شرح لکھی ہے اور یہ ورق وہی تختہ ہے، جس کا ذکر میرزا غالب نے ۱۸ر مارچ ۱۸۶۷ء والے خط میں کیا ہے، تو تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت تک ذکا "ساطع برہان" اور "نامۂ غالب" کی اشاعت سے بے خبر تھے۔ کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ۱۸۶۵ء میں شائع ہو چکی تھیں۔

بہر حال ذکا نے اس خط کے ساتھ میرزا کے بھیجے ہوئے اس تختے پر اعتراضات کے جوابات بھیجے جو میرزا نے "مؤیدِ برہان" کے بارے میں بہ قید صفحہ وسطر لکھا اور ذکا کو بھیجا تھا۔ میرزا نے ۱۸ر مارچ ۱۸۶۷ء کے خط میں بھی یہی لکھا کہ وہ تختہ تیار کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تختے کی تیاری میں بھی کچھ وقت لگا ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ وہ تختہ اواخر مارچ تک پہنچ چکا ہو۔ نیز مذکورہ تختے میں جوابات کے اندراج کے لئے ذکا کو مہینہ بیس دن درکار ہوئے ہوں گے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ خط آخر ماہ اپریل یا ابتدائے ماہ مئی ۱۸۶۷ء کا ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد ایک عرصے تک میرزا اور ذکا کے درمیان کسی مراسلت کا پتہ نہیں چلتا۔ تاہم جنوری ۱۸۶۸ء میں ذکا نے میرزا کو پھر خط لکھا اور اس میں غالباً میرزا کی خیریت دریافت کی۔ میرزا نے ۲۸ر جنوری ۱۸۶۸ء کو اس کا جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

"منشی صاحب، الطاف نشاں، سعادت و اقبال توامان،

منشی حبیب اللہ خاں کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا، پڑھ کر دل خوش ہوا۔ تم میری بات پوچھتے ہو، مگر میں کیا لکھوں؟ ہاتھ میں رعشہ، انگلیاں کہنے میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زائل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے تو اس سے خط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے، موتیٰ کی روح کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں غذا کو۔ پہلے مقدار غذا تولوں پر منحصر تھی، اب ماشوں پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے۔ بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ بالکل میرا یہی حال ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی مرگ کا طالب غالب

(دوم شوال ۱۲۸۴ھ م۔ ۲۸ر جنوری ۱۸۶۸ء) (۸۱)

غالباً اس خط کے ملنے کے بعد ذکاؔ نے میرزا کی صحت اور ضعف بصر کے پیش نظر میرزا غالب کو خط لکھنے کی بجائے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ سے راہِ مراسلت پیدا کی (۷۵) لیکن اسی زمانے میں غالب نے "سبد چیں" کا ایک نسخہ ذکاؔ کو بھیجا۔ "سبد چیں" کا یہ نسخہ ذکاؔ کو گمان کی توقع کے خلاف ملا اور اس زمانے میں شعر و سخن سے میرزا کی دلچسپی پر انہیں تعجب ہوا۔ ذکاؔ نے "سبد چیں" کی رسید کے طور پر میرزا کو جو خط لکھا اس کے مطالب حسب ذیل ہیں۔

"ایک مدت ہوئی کہ جناب والا کے ضعف بصر کے پیش نظر میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اپنے عریضوں کو پڑھنے کی زحمت دوں۔ لیکن چونکہ دریافت حال ناگزیر تھا۔ میں نے نواب مصطفےٰ خاں بہادر سے راہ مراسلت پیدا کی اس سربزرگی اور ترحم پر نازاں ہوں کہ خامہ نیساں رقم نے مجھ سے دریغ نہیں کیا۔ اور از راہِ التفات مجھے خط لکھا۔ ادھر تتمہ کلیات کے پہنچنے سے یہ ڈھارس بندھی کہ حضرت کو ہنوز شعر و سخن سے دلچسپی ہے۔ اور یہ کہ اس فن سے مستفید ہونے والوں کی جانب میلان

توجہ باقی ہے۔ یارب! جس طرح باغِ نظم کے لئے "سبد چین" میوہ ہے۔ دستر خوان نثر کے لئے "پسین حلوہ" بھی ہو۔ اگر یہ اس بندہ کے لئے خاصہ ہو تو وہ اس بندہ زادے کے لئے صلہ ہونا چاہیے۔

کل سکندر علی شاہ ملے۔ اور وہ صحیفہ جو اُن پر نازل ہوا تھا میرے حوالے کیا۔ ع

"بوسیدم و برمردمکِ دیدہ کشیدم" (۷۶)

(۲۶)

اسی زمانے میں غالب کے اردو خطوط کی اشاعت کے لیے خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کوشاں تھے۔ انہیں مولوی ممتاز علی خاں میرٹھی سے چودھری عبدالغفور سرور، مولوی صاحب عالم اور مولوی شاہ عالم صاحبان مارہروی کے ۳۱ خطوط کا مجموعہ مل چکا تھا۔ بے خبر کو ان کے علاوہ غالب کے دوسرے شاگردوں اور احباب کے نام لکھے ہوئے خطوط کی تلاش تھی۔(۷۷) اس سلسلے میں انہوں نے خود میرزا غالب سے اور لوگوں کے علاوہ ذکا کو لکھے ہوئے خطوط بھی حاصل کرنا چاہے لیکن ذکا اور غالب کے مابین جو خط و کتابت ہوئی تھی، اس کے مضمرات کا جائزہ اس مضمون کی ابتدا میں لیا جا چکا ہے۔ میرزا یہ نہیں چاہتے تھے کہ ذکا کے نام لکھے ہوئے خطوط منظر عام پر آجائیں یا خود غلام غوث بے خبر کی نظر سے گذریں چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ پھر دروغ مصلحت آمیز سے کام لیا اور ۲۳ جولائی ۱۸۶۶ء کو اپنے خط میں اس مطالبہ کا جواب یوں دیا۔

"آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفےٰ خاں حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا۔" (۷۸)

حالاں کہ اس وقت تک میرزا غالب ذکا کو اردو میں کم از کم دس خطوط لکھ چکے تھے، جو

محفوظ ہیں۔ چناں چہ "عود ہندی" کا جو پہلا نسخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۸۶۸ء کو شائع ہوا اس میں ذکا کے نام میرزا کا ایک بھی خط شامل نہیں ہے۔ البتہ غلام غوث بے خبر کے نام پچیس خطوط شامل ہیں۔ جن میں وہ خطوط بھی ہیں جو غلام امام شہید کے معاملہ میں میرزا نے بے خبر کو لکھے تھے۔ اس مجموعے کا مسودہ اگرچہ ۱۸۶۶ء میں مکمل ہو کر مطبع میں دیا جا چکا تھا لیکن یہ ۲۷ر اکتوبر ۱۸۶۸ء کو شائع ہوا۔(۷۹)

اشاعت کے بعد غلام غوث بے خبر نے اس کا ایک نسخہ غلام امام شہید کو تحفتہً حیدرآباد بھیجا۔ لیکن حیدرآباد کے کتب فروشوں کے یہاں یہ نسخہ ابھی نہیں پہنچا تھا۔ شہید کے یہاں "عود ہندی" کا نسخہ بھیجنے میں کوئی تعجب نہیں کہ بے خبر کی نیت یہ دکھلانے کی ہو کہ میرزا نے ذکا کے بارے میں انہیں کیا کیا لکھا تھا۔

بہرحال حیدرآباد میں شہید نے یہ نسخہ پڑھنے کے لیے ذکا کو دیا۔ ذکا کو اس مجموعے میں ان خطوط کے پڑھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، جو ان کی بابت میرزا نے بے خبر کو لکھے تھے۔ البتہ انہیں رنج اس کا ہوا کہ یہ نسخہ پہلے شہید کے یہاں کیوں گیا۔ ذکا کے یہاں کیوں نہیں آیا۔ اس بے تابی میں ذکا یہ دعا کرنے لگتے ہیں کہ کاش اس کے نسخے بہ سبیل تجارت ہی مل جائیں تاکہ وہ شہید کو ان کا نسخہ واپس کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں دلّی سے پارسل آنے میں، جیسا کہ میرزا نے کہا ہے، مہینہ پچیس دن لگتے تھے۔ لہذا "عود ہندی" کا نسخہ اواخر نومبر یا دسمبر ۱۸۶۸ء کو حیدرآباد میں شہید کے پاس پہنچا اور اسی زمانے میں ذکا کو دیکھنے کے لیے ملا۔ اور ابھی وہ اسے دیکھ نہیں پائے تھے کہ شہید نے واپسی کا تقاضا شروع کر دیا۔ ان حالات میں ذکا نے مضطرب ہو کر غالب کو جو خط لکھا اس کے مطالب یہ ہیں۔

> "اس ایک ماہ کے عرصہ میں "درفش کاویانی" کے نسخے کی گداگری میں شور مچاتا رہا ہوں اور یغمائے اصفہانی کی زمین غزل میں زحمت اٹھاتا رہا ہوں۔ چنانچہ ان دونوں امور کے بارے میں جناب والا کی نظر سے میرا محضر گذر چکا ہے۔ اب جو کچھ میں کھینچ رہا ہوں وہ اجر اور مزدوری کا انتظار ہے۔ خطا معاف! اس بات کی بھی حسرت ہے کہ مجھ جیسا راست ارادت اس کا سزاوار ہے کہ جناب والا کے خانۂ نسیاں

رقم کی ہر طرح کی تراوش اس کے پاس موجود ہو اور اس وادی کا جو بھی تشنہ لبِ ادب آئے اور جرعۂ استفاضہ چاہے تو مجھ ہی سے چاہے۔ یہ حرص اور یہ آرزو جرأت پر مبنی ہے۔ لیکن اگر میں غلطی پر نہ ہوں تو حضرت کے اس شعر کے مصداق ہے۔

بدنام و زہد گیشتم و خواہم بہ من رسد
در رخت خواب شاہ بہ مستی غنودہ

رقعات اردو جن کے بارے میں سنا ہے کہ منشی غلام غوث بے خبر نے چھاپنے کی خوش خبری کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کیا ہے، وہ بہ سبیلِ تجارت اس طرف بھی آئے تاکہ وہ نسخہ جو غلام امام شہید نے مجھے مستعار دیا ہے، بغیر اس کے کہ میں اس کو پورا دیکھ لوں واپس مانگتے ہیں، مجھے اس کا زیادہ غم نہ ہو۔" (۸۰)

ذکا کا یہ خط دسمبر یا جنوری ۱۸۶۸ء[۱۸۶۸ء] گویا میرزا غالب کی وفات سے ڈیڑھ دو مہینے قبل کا لکھا ہوا ہے۔ میرزا غالب کے انتقال پر ذکا نے غالباً کوئی مرثیہ نہیں کہا ورنہ یقیناً اس کی شہرت ہوتی۔ تاہم بعض روایات کے مطابق ایک قطعہ تاریخ وفات انہوں نے لکھا تھا۔ پتہ نہیں یہ کہاں تک درست ہے۔ بہر حال وہ قطعہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

میرے استادِ معنوی غالب — جس کا ہر لفظ معنی اعجاز
وحدہٗ لاشریک لہ کی قسم — ایک فنِ سخن میں بے انباز
ایسی قسمت کہاں جو میں کرتا — پردہ چشم صرف پا انداز
ہاں سنا ہے کہ اس کے تھے کردار — جیسے گفتارِ حافظ شیراز
کیا عجب ہے جو حرمت مے سے — بخش دے بھی کریمِ نکتہ نواز
ہند کا انوری و سعدی تھا — متفق اس پہ ہیں سخن پرداز
خود ہی فرما گیا ہے یہ مقطع — پیش بینی کا دیکھنا انداز

اسد اللہ خاں تمام ہوا
وادریغا وہ رند شاہد باز

پہلے مصرعہ سے تا بہ آخر شعر　　سال تاریخ کا ہے جلوہ طراز
غیب دانی صفت خدا کی ہے　　اک عدد کی کمی میں تھا یہ راز　(۸۲)

حواشی

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "غالب اور حیدرآباد" از ضیاء الدین احمد شکیب

۲۔ مطبوعہ "خاش وخماش" میں ذکا کی تاریخ پیدائش "بے خود و بدخوے" سے نکالی گئی ہے جو ۱۲۴۴ھ کے مماثل تبلائی گئی ہے۔ اس میں طباعت کی غلطی ہے۔ اصل الفاظ "بے خودِ بدخوے" ہیں۔

۳۔ کلیات نثر غالب صفحہ ۱۹۲ نول کشور ۱۸۷۱ء

۴۔ خاش وخماش صفحہ ۸

۵۔ مولانا غلام رسول مہر "خطوط غالب" صفحہ ۴۵۹ تیسری اشاعت

۶۔ پنج آہنگ پہلی مرتبہ ۳ راگست ۱۸۴۲ء کو چھپا اور دوسری دفعہ اپریل ۱۸۵۲ء میں (مالک رام)

۷۔ رسالہ "تحفہ" نمبر ۲ جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ و نیز نسخہ جامعہ نظامیہ۔

۸۔ خاش وخماش صفحہ ۱۰۸

۹۔ گلزار اعظم صفحہ ۱۹۷

۱۰۔ خاش وخماش صفحہ ۵۸

۱۱۔ خاش وخماش صفحہ ۱۳۵

۱۲۔ خاش وخماش صفحہ ۵

۱۳۔ کلیات نثر فارسی صفحہ ۲۴۶ نول کشور مطبوعہ ۱۸۷۱ء

۱۴۔ آیۂ قرآن مجید وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ سورہ مومن آیت ۶۰۔

(اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرلوں گا)
کی طرف اشارہ ہے۔

۱۵۔ آیہ قرآن مجید وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی سورہ ضحیٰ آیت ۵
(اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہوجاویں) کی طرف اشارہ ہے۔

۱۶۔ خاش وخماش صفحہ ۸

۱۷۔ خاش وخماش صفحات ۹، ۱۰

۱۷/۱ کرونولوجی آف ماڈرن حیدرآباد صفحہ ۲۹۴ مطبوعہ ریاستی دفتر اسناد، آندھرا پردیش۔

۱۸۔ خاش وخماش صفحہ ۱۲

۱۹۔ خاش وخماش صفحہ ۱۳

۲۰۔ ان جملوں میں جو طنز چھپا ہوا ہے، اس کا اندازہ "سورتی" اور "صورتوں" کے تلازمے ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ مگر صحیح لطف تب آئے گا جب یہ معلوم ہو کہ غلام امام شہید بدصورت تھے۔ ان کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے اور کانوں میں قرنا لگا کر سنتے تھے۔
(نثار احمد فاروقی "آج کل" صفحہ ۴۰ فروری ۱۹۶۴ء)

۲۱۔ مولانا مہر "خطوط غالب" صفحہ ۳۸۵

۲۲۔ خاش وخماش صفحات ۵۰ تا ۵۵

۲۳۔ یہ خط خاش وخماش کے ایک مخطوطے میں موجود ہے جو میرے یہاں محفوظ ہے۔ (شکیب)

۲۴۔ تذکرہ نقش قلمی از مولوی محمد نصیر الدین نقش حیدرآبادی۔ محولہ عبدالرزاق بسملؔ۔ رسالہ "تحفہ" حیدرآباد جلد (۱) نمبر (۳)

۲۵۔ نظام الدین علی شیر نوائی فرمانروائے چغتائیہ ہرات سلطان حسین میرزا کا ہم مکتب تھا۔ جب سلطان حسین میرزا تخت پر بیٹھا تو اسے مصاحبی میں لے لیا۔ اس کی سرپرستی میں ہرات علم وہنر کا مرکز خاص بن گیا۔ خود ترکی اور فارسی کا خوش ذوق شاعر تھا۔ دونوں زبانوں میں دیوان موجود ہیں۔ مجالس النفائس کے نام سے شعرا کا تذکرہ بھی لکھا تھا جو چھپ گیا ہے۔ مولانا جامی سے بڑی عقیدت تھی (مولانا مہر)

۲۶۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی

۲۷۔ اردوے معلّٰی حصہ دوم، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۴۴

۲۸۔ پورا شعر یہ ہے

ہر یک ز گل و لالہ چہار رنگ بر آورد — رخسار تو زیں ہر دو جدا رنگ بر آورد

۲۹۔ خون شد دل غم دیدہ و از دیدہ فرو ریخت — دیدی کہ جفایت چہ بلا رنگ بر آورد

۳۰۔ چوتھا اور پانچواں شعر یہ ہے۔

تا بند کشائیم ہر انگشت حنائی است — از عکس تنت بسکہ حنا رنگ بر آورد

خون کرد جگر حسرت اظہارِ تمنا — لب بستن من ہم چو حنا رنگ بر آورد

۳۱۔ اے اہلِ ورع چوں نتواں داشت عزیزش — مئے سرخ تر از خونِ شما رنگ بر آورد

۳۲۔ ذکاؔ نے اپنا کلام مرتب کرتے وقت اس شعر اور مقطع کے علاوہ دو اور شعر حذف کر دیے تھے۔

۳۳۔ مطبوعہ نسخوں میں ۱۲۶۹ھ چھپا ہوا ہے جو غلط ہے۔ صحیح ۱۲۸۰ھ ہے۔ (مولانا مہر)

۳۴۔ اردوے معلّٰی حصہ دوم، مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۴۳

۳۵۔ خاش و خماش صفحہ ۹۰

۳۶۔ "اردوے معلّٰی" مطبع مجتبائی حصہ اوّل ۱۸۹۹ء، صفحہ ۲۳۷

۳۷۔ ایضاً صفحہ ۲۳۸

۳۸۔ ایضاً صفحہ ۲۴۱

۳۹۔ اس سے مراد غالباً یہ قطعہ ہے۔

غالبؔ کہ نفی مطلق اگر معنی کم است — گویم کہ ہمسرش بہ سخن کمتر آمدہ

دیوان او ز مطبع منشی نولکشور — طومار سعی کارگزاراں بر آمدہ

تاریخ انطباع تو لبید ذکاؔ ہمی — جانِ سخن بہ قالب طبع اندر آمدہ

صدہائے ہا ز رشک برآمد ز منکران — یک حرفِ ہا چہ شد ہمہ زائد گر آمدہ

(خاش و خماش ص ۲۰۶)

۴۰۔ اردوے معلّٰی، حصہ اوّل، مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۱

۴۱۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۳

۴۲۔ اس خط سے اس کی شہادت ملتی ہے کہ ذکا نے ابتدا میں اپنا اردو کلام بھی اصلاح کے لیے بھیجا تھا لیکن ذکا کا اردو کلام نایاب ہے اور انہوں نے میرزا سے فارسی ہی میں زیادہ اصلاح لی ہے۔

۴۳۔ اردوے معلّٰی حصہ دوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۴۶

۴۴۔ رسالہ "تحفہ" حیدرآباد جلد ۱۰ نمبر ۵ صفحہ ۲۲۹ و نیز بہ شکریہ عبدالوہاب تسنیم یہ مکمل غزل انہی کی مخزونہ ایک بیاض سے لی گئی ہے۔

۴۵۔ یہ اصل خط کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔

۴۶۔ ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ م ۸ ستمبر ۱۸۶۴ء

۴۷۔ خاش و خماش صفحہ ۹۲

۴۸۔ ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ م ۸ ستمبر ۱۸۶۴ء

۴۹۔ غالباً محمد نجیب خاں۔

۵۰۔ خاش و خماش صفحہ ۱۴

۵۱۔ "دافع ہذیان" ۱۲۸۱ھ (م ۶ جون ۱۸۶۴ء تا ۲۶ مئی ۱۸۶۵ء) کے دوران چھپی۔

۵۲۔ خاش و خماش صفحہ ۱۶

۵۳۔ بہادر شاہ ثانی

۵۴۔ فخرالدین عرف میرزا فخرو، غالب کے شاگرد تھے، ۱۸۵۶ء میں فوت ہوئے۔

۵۵۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل مطبع مجتبائی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۳

۵۶۔ "دافع ہذیان" مولفہ مولوی نجف علی۔

۵۷۔ "سوالات عبدالکریم" اور "لطائف غیبی" یہ دونوں کتابیں غالب نے خود لکھی تھیں۔ ایک عبدالکریم کے نام سے چھپی۔ دوسری سیف الحق میاں داد خاں سیاح کے نام سے۔

۵۸۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۹

۵۹۔ ایضاً حصہ دوم صفحہ ۴۳۳۔ اس خط کی تاریخ صبح شنبہ ۳ ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء ہونا چاہیئے۔

(۵۹/۱) مالک رام۔ ذکر غالب

۶۰۔ میرزا قادر بخش صابر معز الدین جہاندار بادشاہ دلی کی اولاد میں سے تھے۔ "گلستان سخن" کے نام سے شعرا کا تذکرہ لکھا تھا، جو بہت کمیاب ہے۔ مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تذکرہ خود صہبائی نے لکھا تھا اور صہبائی کے نام سے شائع ہوا (مولانا مہر)

۶۱۔ اردوے معلّٰی حصہ اول مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۰

۶۲۔ مولانا غلام رسول مہر: خطوط غالب۔

۶۳۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۴

۶۴۔ محمد میراں کی پیدائش رمضان ۱۲۶۸ھ میں ہوئی۔

۶۵۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۵

۶۶۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی جو ۱۷۵۹ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۸۰۶ء میں مرا۔ غالب نے کئی جگہ لکھا ہے کہ اس کا دادا شاہ عالم کے عہد میں ہندستان آیا اور لاہور میں معین الملک کے پاس ملازم ہوا۔ معین الملک نے شاہ عالم کی تخت نشینی سے سات آٹھ برس پہلے وفات پائی۔ لہٰذا میرزا کا دادا احمد شاہ کے عہد میں ہندستان آیا نہ کہ شاہ عالم کے عہد میں۔ البتہ دہلی میں ملازمت شاہ عالم ہی کے عہد میں ہوئی ہوگی۔ (مولانا مہر)

۶۷۔ والی الور۔

۶۸۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۷

۶۹۔ ایضاً صفحہ ۳۲

۷۰۔ اس خط کی تاریخ کے بارے میں مولانا مہر کو جو اشتباہ ہوا، وہ یہ ہے: "ملاحظہ ہو غالب کا وہ خط جو ۴ مارچ کو لکھا گیا تھا۔ معلوم نہیں چار دن کے اندر اندر اثبات یا نفی میں جواب کی امید کیوں پیدا ہوئی؟ آیا ۱۴ مارچ کے خط کو ۴ مارچ کا سمجھا جائے۔"

۷۱۔ اردوے معلّٰی حصہ دوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۴۲

۷۲۔ اسی زمانہ میں میرزا کے انتقال کی افواہ بھی اڑ گئی تھی جو ذکا تک بھی پہنچی اور ذکا نے میرزا کی

تاریخ وفات پر ایک قطعہ بھی کہہ ڈالا۔ جو یہ ہے۔

گذشت از جہاں آں جہانِ سخن
کہ می گفتمش عرفی و طالب است
خرد گفت سالش ریاض چناں
گراں تا گراں مسکن غالب است (۱۲۸۳ھ)

۷۳۔ خاش و خماش صفحہ ۱۳
۷۴۔ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۶ / مئی ۱۸۶۶ء تا ۵ / مئی ۱۸۶۷ء
۷۵۔ شیفتہ کے نام ذکا کا ایک خط "خاش و خماش" میں موجود ہے۔
۷۶۔ خاش و خماش صفحات ۱۶، ۱۷
۷۷۔ مالک رام، "ذکر غالب" صفحہ ۲۰۷
۷۸۔ مولانا مہر۔ خطوط غالب صفحہ ۳۵۴
۷۹۔ مالک رام، "ذکر غالب" صفحہ ۲۰۸
۸۰۔ خاش و خماش صفحات ۱۵، ۱۶
۸۱۔ اردوے معلّٰی حصہ اوّل مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۲
۸۲۔ عبدالرزاق بسمل رسالہ "ترقی اردو" جلد ۱ شمارہ ۲ دنیز "سب رس" غالب نمبر ستمبر ۱۹۶۹ء

Scanned with CamScanner

اشاریہ

ر

س

ش

ن